تشیع اور اسلام

تحریر

آیۃ اللہ السید محمد باقر الصدر دام ظلہ
(نجف اشرف)

مقدمہ و ترجمہ

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

مطبوعہ

مذہبی دنیا الہ آباد

بسمہ سبحانہ

کچھ اپنی باتیں

روز قیامت علماء کی روشنائی اور شہداء کے خون کا موازنہ کیا جائیگا تو علما کی روشنائی کا پلہ بھاری ہوگا۔

یہ سرکار دو عالم کا ارشاد گرامی ہے جس میں علمائے اسلام کی قدر و منزلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ علماء وہ نہیں ہیں جو فقط مصلیٰ اور محراب کی زینت ہو جائیں۔ علماء وہ ہیں جن کا قلم چلتا رہے اور ان کی روشنائی خدمت دین کی راہ میں صرف ہوتی رہے۔ ایسے علماء کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے کہ شہداء کا خون جہاد کے خاتمہ کا اعلان ہے اور علما کی روشنائی جہاد کے آغاز کی نشاندہی ہے۔ شہداء کا خون زیر زمین چھپا دینے کے قابل ہے اور علماء کی روشنائی اوراق ذہب پر نشر کئے جانے کے لائق ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ موازنہ ان شہداء اور علماء میں ہے جو صرف شہید راہ خدا ہوں اور ان کا کوئی علمی درجہ نہ ہو ورنہ علم اور شہادت دونوں ایک مرکز پہ جمع ہو جائیں تو عالم کا خون بھی مجاہد ہے اور اس کی روشنائی بھی۔

سرکار شہید خامس آقائے السید محمد باقر الصدر طاب ثراہ کی ہستی ایسی ہی جامع صفات و کمالات ہستی تھی جہاں زندگی بہ قلم چلتا رہا اور مرنے کے

کے بعد خون شہادت قوم کی رگوں میں انقلابی حرارت بن کر دوڑ رہا ہے۔

سرکار مرحوم کی برسی کے موقع پر ان کی کتاب "تشیع اور اسلام" کا ترجمہ علامہ جوادی دام ظلہ، کے قلم سے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے جو مومنین کرام کے شدید تقاضے کی بنا پر شائع کیا جا رہا ہے انشاء آئندہ ۸ اپریل کے موقع پر سرکار مرحوم کی دوسری کتابیں منظر عام پر لائی جائیں گی۔

آپکی ذمہ داری کتاب کی اشاعت وخریداری اور ادارہ سے ہر ممکن تعاون ہے۔ دعا فرمائیں کہ ہم آئندہ ایسے خدمات کے لئے موفق ہوتے رہیں

طالبان دعا

سید خوشنود رضا رضوی و معاونین

مذہبی دنیا۔ الہ آباد

گفتار مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کناڈا کی ایک رات تھی اور میں ٹیلیویژن اسٹیشن پر ایک مکالمہ میں شرکت کے لیے گیا ہوا تھا۔ اچانک ایک محترمہ سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے برجستہ یہ سوال کیا کہ مولانا آپ تو مذہبی معلومات کافی رکھتے ہوں گے اور ایک مذہب کے نمایندہ بھی معلوم ہوتے ہیں۔ میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ یہ شیعہ مذہب کیا ہے اور کیسے پیدا ہو گیا۔ یہ شیعہ سنی جھگڑا کہاں سے آگیا اور اس جھگڑے کی بنیاد کیا ہے کہ کسی طرح ختم ہونے کا نام نہیں لیتا؟ میں نہایت سنجیدگی سے یہ سوال کرنا چاہتی ہوں اور پوری دلچسپی سے آپ کا جواب بھی سننا چاہتی ہوں

یہاں کے ماحول میں عورت اور مرد کا وہ امتیاز نہیں ہے جو اپنے ملکوں میں پایا جاتا ہے۔ وہاں عورت مرد سے گفتگو کرتے ہوئے جھجکتی ہے اور خاص طریقہ سے ہم جیسے لوگوں سے تو بات کرتے ہوئے بھی ایک خوف محسوس کرتی ہے۔ لیکن یہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہاں کے حالات نے صنفی احساس کو بالکل فنا کر دیا ہے اور بسا اوقات تو ہم جیسے مردوں کو ہی پردہ کرنا پڑتا ہے۔ میں نے ایک طویل مدت قیام کے دوران صرف دو ایک عورتوں کو دیکھا ہے جن کے سروں پر چادر تھی اور وہ بھی ہندوستان اور پاکستان یا مشرقی افریقہ کی دین تھی۔ ورنہ یہاں کے ماحول میں ان چیزوں کا گذر کہاں؟

میرے لئے یہ سوال یوں بھی ایک بجلی کی حیثیت رکھتا تھا کہ سوال کرنے والی خاتون ایک مسلمان تھیں اور مقامی معاشرہ سے متاثر بھی، تاہم میں نے ہمت کر کے

عرض کیا کہ آپ یہ سوال نہ فرمائیں تو بہتر ہے اس سے بہت سے مسائل بلا وجہ پیدا ہو جاتے
ہیں اور آپس میں تعلقات میں بھی فرق آ جاتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ مشترکہ طور پر اسلام
کی خدمت کریں اور غیر مسلم حملوں کے مقابلہ میں صف بستہ ہو جائیں۔ اس سے زیادہ مسائل
کے طے کرنے کا وقت نہیں ہے اور ان سے حالات کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

انھوں نے فرمایا کہ مجھے بھی تحقیق کرنا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ دو نام آئے اور یہ
کشیدگی شروع ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کوئی اختلافی مشین ہیں جن میں ذہن
فی الفور ڈھل جاتے ہیں اور پوری سنجیدگی اور متانت کو کھو بیٹھتے ہیں۔ میں عام افراد
کی طرح جذباتی نہیں ہوں اور مسائل کو سننے کے لئے تیار ہوں میرا یہ عقیدہ ہے کہ شیعوں کے
بارے میں جو باتیں کہی جاتی ہیں ان میں سے بہت سی غلط بھی ہیں اور میں ان کے بارے میں صحیح
بھی نہیں سکتی۔ مثال کے طور پر ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ صحابہ کرام اور حضرات خلفا
کو برا کہتے ہیں۔ میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتی کہ ان میں کوئی ایسا بھی ہوگا اور میرا خیال ہے کہ یہ بعد
کے لڑنے والوں کا شگوفہ ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ دونوں قومیں آپس میں متحد نہ ہو سکیں۔

میرے لئے یہ دوسری قیامت تھی کہ جب ذہن اس رخ پر سوچ رہا ہو اور شیعوں کے
بارے میں حسن ظن رکھتا ہو تو اسے سمجھانا اور بھی نا ممکن ہے۔ میں نے عرض کیا محترمہ! دیکھئے ان
مسائل میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ ہم پڑھے لکھے لوگ بھی اپنے مذہب سے بالکل ناواقف
ہیں اور جو کچھ تھوڑا بہت جانتے بھی ہیں اسے تعصب کی نذر کر چکے ہیں۔ ہمارے ملکوں
میں جہاں ہزار خوبیاں پائی جاتی ہیں وہاں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ہر شخص اپنے نظریات
اور خیالات میں بیحد متعصب ہے۔ ہمارا عالم یہ ہے کہ آج کوئی ہمارے ملک کے سربراہ کو کچھ کہدے
تو بھی ہماری تیوریوں پر بل آ جاتے ہیں اور ہم لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا
سربراہ سے کوئی خاص رشتہ نہیں ہے وہ صرف چند دنوں کا حاکم ہے اور اس کے بعد تخت سے
اتر جائے گا اور اگر وہ تخت پر رہ بھی گیا تو ہم دنیا سے چلے جائیں گے اور اس سے رشتہ ٹوٹ
جائے گا اور جب ہماری یہ کیفیت ہے اور ہم سیاسی مسائل میں اس قدر جذباتی ہیں تو مذہب
میں ہمارا حال کیا ہوگا اور ہم کسقدر جذباتی ہوں گے جن سے ہمارا تعلق پشتوں کا ہے اور جسے ہم نے

ین دنیا و آخرت دونوں کے لیے اختیار کیا ہے۔ ہمارے لیے یہ کیسے ممکن ہوگا کہ ہمارے مذہبی ہما
تبصرہ کرے اور ہم سکون سے سن لیں، ہمارے قائدین ملت کے کردار پر تنقید کرے اور ہماری
اداریوں پر بل نہ آئیں۔ یہ بات کسی محاذ پر ممکن نہیں ہے تو مذہب ہی کے محاذ پر کس طرح ممکن ہوگی۔
واقعہ تمام ہوگیا اور میں پروگرام ختم کرکے گھر چلا آیا لیکن مسلسل سوچتا رہا کہ اس ترقی یافتہ دور اور
روشن فکر ملک میں بھی ایسے افراد پائے جاتے ہیں جنھیں شیعہ اور سنی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے
ر شیعوں سے خلوص برتنے میں ان کے عقیدہ کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ اس خیال نے مجھے اس بات پر
آمادہ کیا کہ میں چند سطریں مذہب شیعہ کے بارے میں لکھوں اور یہ واضح کردوں کہ مذہب شیعہ کیا ہے
اور اس کی حقیقت کیا ہے اس کے بارے میں حقائق کیا ہیں اور اسے اتہامات و الزامات کا
شکار کہاں تک بنایا گیا ہے۔ اتفاق سے میرے پاس حضرت استاد معظم آیۃ اللہ سید محمد باقر الصدر
دام ظلہ (نجف اشرف) کی کتاب "اسلام میں تشیع" موجود تھی میں نے بار دیگر اس کتاب کا مطالعہ کیا
اور انداز بحث دیکھ کر یہ طے کرلیا کہ اس کتاب کا مضمون منظر عام پر آنا چاہئے۔ ترجمہ میرے لئے ایک
عادت کی حیثیت رکھتا ہے اور ترجمہ کا کام بسا اوقات تالیف و تصنیف سے زیادہ تیز کردیتا ہوں
چنانچہ اصل رسالہ کا ترجمہ تو مکمل ہوگیا لیکن فکر یہی تھی کہ موجودہ حالات اور مقامی تقاضوں کے پیش نظر
ایک مقدمہ کا اضافہ کردیا جائے اور مقدمہ کا کام اتنا مفصل ہوگیا کہ مقدمہ اصل کتاب سے بھی زیادہ
ہوگیا اور وقت بھی کافی صرف ہوگیا اس کے بعد مقامی ذمہ داریوں کے ساتھ سفر کا سلسلہ رہا اور
نتیجہ کے طور پر یہ کتاب کی اشاعت میں ایک سال کی تاخیر ہوگئی۔ اور اب خدا کے فضل و کرم سے یہ وقت
آیا ہے کہ کتاب منظر عام پر لائی جائے۔ تاخیر نے بہت سے مسائل کا توازن بگاڑ دیا ہے اور
بہت سے حالات کو بدل دیا ہے لیکن خدا کا نام لے کر کتاب کو حاضر کررہا ہوں۔ خدا کرے
آپ کو پسند آئے اور بارگاہ احدیت میں قابل قبول قرار پائے۔

والسلام

السید ذیشان حیدر جوادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تشیّع کیا ہے؟

تشیّع ایک لفظ ہے ترنّم اور تکلّم کے وزن پر جسے عام طور پر تشیع پڑھ دیا جاتا ہے اور اس کا وزن تکلیف اور ترتیب کو قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اصولی طور پر یہ غلط ہے۔ تشییع کے معنی اور ہیں اور تشیّع کے معنی اور۔

تشییع عرف عام میں کسی جنازہ کو منزل تک پہنچانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور تشیّع کسی شے کے اتباع اور پیروی کرنے کے معنی میں۔ تشیّع ایک نظام قانون اور اُصول اتباع کا نام ہے مسافر کو مقصد یا جنازہ کو منزل تک پہنچانے کا نہیں۔ یہ انسان کی غفلت ہے کہ اس کے صحیح تلفظ سے بھی آگاہ نہیں ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جو کسی مذہب کے تلفظ سے باخبر نہ ہو گا وہ اُس کے معانی وحقائق سے کیا باخبر ہو سکے گا۔

تشیّع کی تحقیق کے بارے میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ان کے بغیر اس کے مسائل کی تفتیش ناممکن ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ تشیّع کے لغوی معنی کیا تھے اور کلام عرب میں یہ لفظ کن معانی کے لئے بنایا گیا تھا تاکہ اس کی روشنی میں یہ طے کیا جا سکے کہ اسلام میں اس قانون زندگی کا نام تشیّع کیوں ہے اور ایک جماعت کو اس تشیّع کی بنیاد پر شیعہ کیوں کہا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تشیّع کا اسلامی مفہوم کیا ہے اور اس نظام کو کن اصول و قوانین سے پہچانا جا سکتا ہے۔ وہ کون سے امتیازات و خصوصیات ہیں جن سے اس مذہب کو دیگر مذاہب سے اور اس جماعت کو دوسری جماعتوں سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

اس تحقیق کے بعد یہ فیصلہ کرنا آسان ہو گا کہ اسلام میں تشیّع کی منزل کیا ہے اور اس کی پیداوار رسول اکرم کی حیات کے بعد کے حادثات کے ذیل میں ہوئی ہے یا یہ نظام زندگی زمانہ پیغمبر ہی سے موجود تھا اور اس کے پرستار کافی مقدار میں بزم پیغمبر میں بھی حاضر تھے۔

تشیّع — "لفظی اعتبار" سے اتباع اور پیروی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے ہر اتباع پیروی۔ محبّت اور نصرت کرنے والے کو شیعہ کہا جاتا ہے اور جو جس کا مرید، متبع اور محب ہوتا ہے اُسی کا شیعہ کہا جاتا ہے۔ اس کی نسبت اچھے افراد کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور بُرے افراد کی طرف بھی۔ مرید اچھے بھی میسّر ہو سکتے ہیں اور... انہیں بھی — اتباع ان کا بھی ہو سکتا ہے اور اُن کا بھی — اور اسی لئے تاریخ میں دونوں قسم کے افراد کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور بسا اوقات ایک ہی محاذ کے دو فریقوں کے ساتھ اس لفظ کا استعمال

دیکھا گیا ہے۔ تاریخ میں جہاں شیعیان علیؑ کا ذکر ہے وہیں شیعیان عثمان کا بھی تذکرہ موجود ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جہاں یہ لفظ ادھر کا اتباع کرنے والوں کے لئے استعمال ہوا ہے وہاں اُدھر کی پیروی کرنے والے کے بارے میں بھی استعمال ہوا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ عام طور پر اس لفظ کا استعمال علیؑ کے پرستاروں اور مددگاروں ہی کے لئے ہوتا تھا اور شیعیان عثمان ایک ضدی لفظ تھا جو شیعیان علیؑ کے مقابلہ میں استعمال ہوتا تھا اور اس کا ایک خاص مقصد تھا جسکی طرف تاریخ کے واقعات سے اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

علماء اسلام کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس لفظ کا استعمال زیادہ تر حضرت علیؑ کے پیروؤں کے لئے ہوا ہے اور دوسرے افراد کے لئے شاذ و نادر ہی ہوا ہے۔ چنانچہ صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ شیعہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو علیؑ سے محبت کرے اور انہیں دیگر صحابہ پر مقدم رکھے۔

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ لفظ شیعہ کا استعمال زیادہ تر اُن افراد کے لئے ہوا ہے جو علیؑ اور اُن کے اہلبیتؑ کو دوست رکھتے تھے اور آخر میں اُنہیں کا نام خاص ہو کر رہ گیا۔

صاحب ملل و نحل علامہ شہرستانی کا بھی یہی بیان ہے کہ فرقہ شیعہ ایک ایسی جماعت کا نام ہے جو خفی و جلی ہر اعتبار سے حضرت علیؑ کو جانشین رسولؐ تسلیم کرتی ہے اور قیامت تک اس عہدہ کو ان کی اولاد میں قائم رکھنے کی قائل ہے۔

اسی طرح کے اور دوسرے بیانات بھی ہیں جن سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ شیعہ عام طور سے حضرت علیؑ کے دوستوں اور پرستاروں

کے بارے میں ہی استعمال ہوا ہے اور دیگر افراد کے لئے اس کا استعمال بہت کم ہوا ہے۔ اگرچہ لغت کے اعتبار سے گنجائش ہو جو تھی اور لفظ کو ہر ایک کے لئے استعمال کیا جا سکتا تھا۔

خود قرآن مجید میں بھی یہی حُسنِ اتفاق ملتا ہے کہ اس نے بھی اس لفظ کو اربابِ حق و ہدایت اور اصحابِ خیر و برکت ہی کے لئے استعمال کیا ہے چنانچہ ایک مقام پر جناب ابراہیمؑ کے لئے ارشاد ہوتا ہے ..... "وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ" اُن کے شیعوں میں ایک ابراہیمؑ بھی تھے۔ جناب ابراہیمؑ کو لفظِ شیعہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے لئے کسی اور لفظ کو نہیں پسند کیا گیا۔

جناب موسیٰؑ ایک راستے سے گذر رہے تھے، دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا۔ "هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ" ایک آپ کے شیعوں میں سے تھا اور ایک دشمنوں میں سے۔ شیعہ نے دشمنوں کے خلاف آپ سے فریاد کی اور آپ نے اُس کی مدد کی۔

یہاں بھی لفظ شیعہ جناب موسیٰ کے ساتھی اور دوست کے بارے میں استعمال ہوا ہے کسی غیر کے پرستار کے بارے میں نہیں۔ بلکہ اس کے مقابلہ میں لفظ "عدوّ" استعمال ہوا ہے جس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو کسی کے شیعہ سے مقابلہ کرتا ہے وہ اس کا دشمن ہی شمار کیا جاتا ہے۔ ورنہ لڑنے والے کو شیعہ کا دشمن کہا جاتا۔ جناب موسیٰؑ کا دشمن نہیں۔

تاریخ کی یہ حقیقت بھی عجیب و غریب ہے جس سے بہت سے راز ہائے درون پردہ کا انکشاف بھی کیا جا سکتا ہے کہ ربُّ العالمین نے اپنے نمائندوں

کے پرستاروں کو اتنا عظیم مرتبہ دیا ہے کہ ان کے دشمنوں کو نمایندوں کا دشمن قرار دیا ہے خود ان کا نہیں۔

یہ اتفاق کی بات ہے کہ اس کے علاوہ قرآن مجید میں یہ لفظ شیعہ کہیں استعمال نہیں ہوا ہے اور نہ کسی دشمن خدا یا بیگانۂ حق و ہدایت کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔

شاید اسی لئے علامہ عبدالعزیز دہلوی نے گھبرا کر یہ اعلان فرمادیا کہ

"باید دانست کہ شیعہ اولی کہ فرقہ سنیہ و تفضیلیہ اند در زمانِ سابق بشیعہ لقب بودند وچون غلاۃ در روافض و زیدیان و اسماعیلیہ باین لقب خود را ملقب کردند و مصدر قبائح و شر در اعتقادی و عملی گردید۔ خوفاً من التباس الحق والباطل فرقہ سنیہ و تفضیلیہ این لقب بہ خود نہ پسندیدند وخود را باہلسنّت و الجماعت ملقب کردند حالا واضح شد کہ آنچہ در کتب تاریخ قدیمہ واقع می شود کہ فلاں من الشیعہ اومن شیعہ علیؑ حالانکہ از رؤسائے اہلسنّت والجماعت است راست است"

تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۷ طبع لکھنؤ

معلوم ہونا چاہیئے کہ شیعہ اولی اصل میں فرقہ سنی اور تفضیلی ہیں جو ابتدا میں شیعہ کے لقب سے ملقب تھے لیکن چونکہ بعد میں غالیوں ..... رافضیوں، زیدیوں اور اسماعیلیوں نے اپنے کو شیعہ کہنا شروع کر دیا اور یہ لفظ اعتقادی اور عملی برائیوں کا مرکز و مصدر بن گیا اس لئے حق و باطل کے امتیاز کو باقی رکھنے کے لئے سنیوں اور تفضیلیوں نے اس لقب کو پسند

نہیں کیا اور اپنے کو اہلسنت والجماعت کہنا شروع کر دیا ۔ اب یہ بات واضح ہوگئی کہ قدیم تاریخ کی کتابوں میں جو ہمیں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ فلاں شخص شیعہ تھا یا شیعۂ علی تھا، حالانکہ وہ اہلسنت کے رئیسوں میں تھا بالکل صحیح ہے (اس لئے کہ شروع میں اہلسنت کو بھی شیعہ ہی کہا جاتا تھا)

محدث موصوف کے بیان سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ صدر اسلام میں لفظِ شیعہ اہل حق و حقیقت کے لئے ہی استعمال ہوا کرتا تھا اور شیعۂ علی ہونا شرافت و عظمت کی دلیل تھا اور نہ علمار اہلسنت کبھی اس بات کو پسند نہ کرتے کہ انہیں شیعہ کہا جائے اور ان کا شمار شیعیان علی میں کیا جائے ۔ بعد میں کیا تغیرات پیدا ہوئے اور کیا انقلابات آئے کہ یہ لفظ ایک قسم کی گالی بن گیا اور حضرات اہلسنت اس سے چڑھنے لگے ۔ اس پہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے ثابت صرف یہ کرنا تھا کہ لغوی اعتبار سے لفظ شیعہ عام ہونے کے باوجود خاص طور سے اہل حق و حقیقت اور ارباب صدق و دیانت ہی کے لئے استعمال ہوتا تھا ۔

خود پیغمبر اسلامؐ کے ارشادات میں کبھی کوئی موقع ایسا نہیں ہے جہاں لفظ شیعہ مذمت کے طور پر استعمال ہوا ہو اور اس کی برائی کی گئی ہو ۔ ہر مقام پہ فضیلت ہی بیان کی گئی ہے اور تعریف ہی کی گئی ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ لفظ آغاز کار ہی سے فضیلت و عظمت کی علامت کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور اس کا وجود زمانہ جناب ابراہیمؑ سے دورِ سرورِ کائنات تک مسلسل رہا ہے ۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے دُرِّ منثور صفحہ ۳۷۹ میں چند حدیثیں نقل کی ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار دو عالمؐ نے اس لفظ کو

بطور طعن وطنز یا بطور مذمت ومنقصت استعمال کرنا سنت رسولؐ کی خلاف ورزی ہے۔ افراد کے خراب ہونے سے الفاظ یا قوانین پر اثر نہیں پڑتا ورنہ سرکارِ دو عالمؐ ایسا لہجہ ہرگز اختیار نہ فرماتے۔

(۱) جابر بن عبد اللہ انصاری کا بیان ہے کہ میں سرکار کی خدمت میں حاضر تھا کہ علیؑ آگئے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ "یہ اور اس کے شیعہ قیامت کے دن کامیاب ہونگے"۔

(۲) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ صاحبانِ ایمان وعمل صالح خیر البریہ (بہترین مخلوق) ہیں تو سرور عالمؐ نے حضرت علیؑ سے خطاب کر کے فرمایا کہ "تم اور تمہارے شیعہ قیامت کے دن راضی اور مرضی ہونگے"۔

(۳) جناب امیر کا بیان ہے کہ جب آیت خیر البریہ نازل ہوئی تو مرسل اعظم نے مجھ سے فرمایا کہ

"یا علیؑ یہ تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ ہم اور تم سب حوض کوثر پر ملیں گے جب ساری امتیں حساب کے لئے طلب کی جائیں گی تو تم روشن پیشانی نمایندوں کی طرح آؤ گے"۔

خود علامہ ابو حاتم رازی نے اپنی کتاب "الزینہ" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ عہد رسولؐ میں جو نام سب سے پہلے ظاہر ہوا ہے وہ شیعہ ہے۔ جو چار اصحاب ابوذر۔ سلمان۔ مقداد بن اسود اور عمار بن یاسر کا لقب تھا اس کے بعد تمام علیؑ کے دوستداروں کا خطاب ہو گیا اور جنگ صفین سے معاویہ کے طرفدار سنی کہے جانے لگے۔

مجھے اس بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ لفظ سنی کہاں سے ایجاد ہوا ہے اور نہ اس کی حقیقت کیا ہے اور نہ اس بحث کی ضرورت ہے کہ لفظ

شیعہ صرف چار ہی آدمیوں کا نام تھا یا اور بھی افراد اس لقب سے ملقوب تھے یہ بات تو بعد میں طے کی جا سکتی ہے ۔ اس وقت منشا صرف یہ ہے کہ لفظ شیعہ ابتدا ہی سے حق کے پرستاروں کا خطاب تھا اور اسلام کے آغاز میں اس کے علاوہ کوئی نام نہیں تھا ۔ یہی ایک نام تھا جس سے تمام پرستاران حق یاد کئے جاتے تھے اور یہی ایک لفظ تھا جو جناب ابراہیمؑ سے لے کر دوستداران علیؑ تک برابر استعمال ہوتا رہا ہے ۔ اس کو قرآن نے مرکز مدح قرار دیا ہے اور اس کی مدح میں مرسل اعظمؐ نے حدیثیں ارشاد فرمائی ہیں اس کے بعد اُس لفظ کو بُرا نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس کے بارے میں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ اسلام میں کہاں سے آگیا اور اس کی ایجاد کب ہوئی اس لئے کہ یہی ایک لفظ تھا جو صدر اسلام میں موجود تھا اور یہی ایک شعار تھا جو اسلام کی آمد کے پہلے سے استعمال ہو رہا تھا اور ارباب حق وصداقت اسے اختیار کئے ہوئے تھے ۔

عام علماء اسلام نے اُسے اس لئے نظر انداز کر دیا تھا کہ اس سے "حق وباطل" کے مل جانے کا خطرہ تھا اور اُسے غالیوں اور رافضیوں نے اپنا شعار بنا لیا تھا ۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل باطل کے کسی لفظ یا کسی شے کو اختیار کر لینے سے اہل حق کا فریضہ بدل جاتا ہے کہ وہ اُسے ترک کر دیں اور اس کی عظمت سے انکار کر دیں ۔ اگر ایسا ہے تو ان علماء حق نے لفظ "اسلام" کو کیوں نہیں ترک کر دیا تھا جب کہ جملہ "باطل" فرقے ان الفاظ اور ان حقائق کو اختیار کئے ہوئے تھے ۔

اسلام، قرآن اور کعبہ کا ترک نہ کرنا اور لفظ شیعہ کو ترک کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ محدث دہلوی نے اس لفظ کی عظمت سے مرعوب ہو کر

اپنے کو شیعہ کہہ دیا ہے ورنہ وہ اس لفظ کو اختیار کرنے سے گریز کر رہے تھے اور کسی طرح شیعہ علیؑ بننا پسند نہیں کرتے تھے۔

کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ انسان روایات و احادیث اور آیات قرآن میں لفظ شیعہ کی عظمت و حرمت دیکھے تو یہ کہہ دے کہ ہم ہی شیعہ ہیں اور شیعوں سے مراد ہمارا ہی فرقہ ہے اور جب لفظ کے استعمال کا موقع آئے تو اس سے اس قدر چڑھ جائے کہ اسے ایک قسم کی گالی سمجھے اور اس سے کنارہ کشی کو مذہبی فریضہ قرار دے دے۔

میرا خیال یہ ہے کہ محدث دہلوی اپنے خیال میں صادق ہوتے اور ان کا تصور صحیح ہوتا تو علمار اسلام کا فرض تھا کہ جو لوگ لفظ شیعہ کو اختیار کر رہے تھے ان پر پابندی عائد کرتے اور ان کی حقیقت کو بے نقاب کر کے یہ واضح کر دیتے کہ شیعہ اولیٰ ہم ہیں اور ہمارے علاوہ تمام مدعیانِ شیعیت کاذب اور غلط بیان ہیں جیسا کہ دور حاضر میں قادیانیوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں نے انہیں لفظ اسلام سے نکال دیا ہے لیکن ان کی وجہ سے لفظ اسلام کو ترک نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ علمار اسلام پر تعصب اس قدر غالب آگیا تھا کہ وہ حقائق سے انکار ہی کو ایک فریضہ سمجھ رہے تھے اور لفظ شیعہ سے گریز ہی کو ایک عبادت تصور کر رہے تھے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ اُمت اسلامیہ کا پڑھا لکھا اور دانشور طبقہ اس قسم کی جہالتوں میں مبتلا ہو جائے اور اس کے بعد یہ کہا جائے کہ لفظ شیعہ بعد کی پیداوار ہے اور یہ فرقہ حادثات و سیاسیات کے نتیجہ میں پیدا ہو گیا ہے۔

محدث دہلوی کی تحقیق کی روشنی میں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر شیعہ

کسی سیاست یا حادثہ کی ایجاد ہے تو اس سے بھی مراد وہی شیعہ اولی کے افراد ہونگے جن کے بارے میں موصوف کا خیال ہے کہ وہ حقیقی اہلسنّت تھے اور انہوں نے حالات کے تحت اپنا نام بدل لیا تھا، موجودہ دور کے شیعہ حضرات پر اس تحقیق کی کوئی ذمّہ داری نہیں ہے۔ وہ تو بقول اُن کے بہت بعد کی پیداوار ہیں اور انہوں نے واقعی شیعوں سے اُن کا لقب چھین لیا ہے۔

علمار اہلسنّت کے "سیاسی شیعہ" ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان حضرات نے بدلے ہوئے حالات میں اپنا نام بھی بدل لیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد ان کا لقب اہلسنّت والجماعت ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک حالات سازگار رہے اور سیاست وقت لفظ شیعہ کو باعزت نگاہوں سے دیکھتی رہی یہ حضرات شیعہ بنے رہے اور زمانہ کا رُخ بدل گیا اور شیعہ بننا پریشانیوں اور مصائب کا سبب بن گیا تو ان حضرات نے اپنا لقب تبدیل کر لیا اور سیاسی مزاج کو دیکھتے ہوئے اپنے کو اہلسنّت والجماعت کہنا شروع کر دیا۔

مجھے دوسروں کے نظریات پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اُن کے عقائد و خیالات پر تنقید کرنا میرا شعار ہے میں تو صرف محدّث دہلوی کے بیان کا تجزیہ کر رہا تھا اور اس کے ذیل میں یہ "سخن گسترانہ بات" آگئی کہ اس طرح شیعہ فرقہ کی توہین نہ ہوگی بلکہ درپردہ ان تمام علمار اسلام کی توہین ہو جائے گی جو روایات وارشادات پیغمبرؐ کی بنا پر شیعہ تھے اور بعد کے حالات نے انہیں بدل دیا اور اس قدر بدل دیا کہ انہوں نے اپنا روایاتی لقب بھی ترک کر دیا۔

علّامہ موصوف کے بیان سے ایک بات اور سامنے آگئی کہ لفظ اہلسنّت والجماعت شیعوں کے بہت بعد کی پیداوار ہے اور اس ذیل میں وہ بیان بھی مشکوک ہے جس نے اس لفظ کی پیداوار کو حاکمِ شام معاویہ ابن ابی سفیان کی طرف منسوب کیا ہے کہ جب معاویہ نے مولائے کائنات علی ابن ابی طالبؑ پر لعن وطعن کرنے کی بنیاد ڈالی تو اس سال کو "عام السنّۃ" کہہ دیا اور گویا علی کو بُرا کہنے والے ہی کو اہلسنّت قرار دیدیا اور جب امام حسنؑ سے صلح کی اور مسلمان گویا ایک نقطہ پر جمع ہو گئے تو اس سال کو عام الجماعت کہہ دیا۔ گویا اہلسنّت سے مراد علی کو بُرا بھلا کہنا اور جماعت سے مراد معاویہ کو مسلمانوں کا بلا اختلاف بادشاہ تسلیم کر لینا تھا جیسا کہ بعض علمائے اہلسنّت نے بیان کیا ہے چنانچہ علامہ یحیٰ بن الحسن قرشی منہاج التحقیق میں رقمطراز ہیں کہ "جب معاویہ نے سبّ علیؑ کو سنت بنایا تو اس سال کا نام "عام السنہ" رکھا گیا۔ اور بہ علامہ سیوطی وعلامہ ابن عبدیہ کا بیان ہے کہ جب امام حسنؑ سے صلح ہوئی تو اس کا نام "عام الجماعت" ہو گیا اور اس طرح دونوں سے مل کر معاویہ کے موافقین کا لقب اہلسنت والجماعت ہو گیا۔

مجھے ذاتی طور پر اس تحقیق سے اتفاق نہیں ہے اور نہ میں تصوّر کر سکتا ہوں کہ علمائے اہلسنت حضرت علی کو چوتھا خلیفہ ماننے کے باوجود ان پر سبّ وشتم کرنے کو سُنّت سے تعبیر کریں۔ ایسا ممکن ہو جائے گا تو اسلام میں ایک عظیم ہنگامہ برپا ہوگا اور ہر قوم ایک نہ ایک خلیفہ پر سبّ وشتم کرنے کو سُنّت بنائے گی اور اسلام عجیب وغریب مصائب کا شکار ہو جائے گا۔

علمائے اسلام میں مولائے کائنات حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی شخصیت ہمیشہ موردِ اتفاق رہی ہے اور آپ کی عظمت وبزرگی پر علمائے اسلام کا اجماع

رہا ہے ۔ معاویہ بن ابوسفیان کی شخصیت ہمیشہ اختلافی رہی ہے ۔ بھلا
یہ کیسے ممکن ہے کہ ملّت اسلامیہ ایک اختلافی شخصیت کے عمل کا سہارا
لے کر اتفاقی شخصیت پر سبّ وشتم کو جائز بنادے اور پھر اسی کو سنّت
قرار دیکر اپنے مذہب کا وہی نام رکھ لے ۔

یہ بات قابل اتفاق نہیں ہے اور اگر ایسا ہے تو یہ اسلام کا سب
سے بڑا المیہ ہے کہ مسلمان اپنے مسلم الثبوت خلیفہ کو بُرا بھلا کہنا سنّت سمجھتا
ہو اور اسی پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھے اور یہ "سیاست زدگی" کی سب
سے بڑی علامت ہوگی کہ اسلام میں ایک جماعت ایسی بھی رہی ہو جس نے
رسول ص کے بیانات کو دیکھا تو اپنے کو شیعہ کہہ دیا اور ہوا کے بدلتے ہوئے
رخ کو دیکھا تو حضرت علی ع کو اپنا خلیفہ چہارم کہہ دیا اور شام کے اقتدار و
اختیار پر نظر ڈالی تو انہیں پر لعن وطعن کو مذہب بنا لیا اور اس پر جماعت کا
سنگ بنیاد رکھ دیا ۔ ظاہر ہے کہ ایسی جماعت کو کسی حال میں واقعی مسلمان
نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس کے ایمان پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے ۔

ضرورت ہے کہ اس لفظ کی ایجاد کے بارے میں کوئی دوسرا راز
تلاش کیا جائے اور چونکہ تاریخ میں کسی اور راز کی نشاندہی نہیں ہے
اس لئے مجھے بھی اظہار خیال کا حق نہیں ہے البتہ محدّث دہلوی کی تحقیق
کی روشنی میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس لفظ کی ایجاد معاویہ بن ابی سفیان
کے دور کے بعد ہوئی اور اس کا تعلق اُس عہد سے بھی نہیں ہے ۔

معاویہ کے عہد تک لفظ شیعہ موجود تھا اور جملہ علماء اسلام اپنے
کو شیعہ کہتے تھے اور شیعہ کہنے کو باعث فخر تصوّر کرتے تھے ۔ اس کے بعد
رافضیوں اور غالیوں کے ساتھ پہلی صدی کے آخر میں زیدیوں کا وجود ہوا

اور انہوں نے بھی اپنے کو شیعہ کہنا شروع کیا۔ علمار اسلام کو یہ بات ناگوا
بھی گذر رہی لیکن اُنھوں نے اپنے آبائی لقب کو ترک نہیں کیا اپنے کو شیعہ
کہتے رہے۔ اس کے بعد دوسری صدی کے وسط میں اسماعیلی فرقہ پید
ہوا اور اُس نے بھی اپنے کو شیعہ کہا۔

اب علمار اہلسنّت کے لیئے یہ بات ناقابل برداشت ہوگئی کہ رافضی بھ
اپنے کو شیعہ کہیں، غالی بھی اپنے کو شیعہ کہیں، زیدی بھی اپنے کو شیعہ کہیں
اور اسماعیلی بھی اپنے کو شیعہ کہیں اور اس طرح ایک لفظ شیعہ ہزار برائیو
کی جڑ بن جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے اس مصیبت سے نجات پانے کے لیۓ
نیا نام تلاش کیا اور اپنے کو اہلسنت والجماعت کہنا شروع کردیا چاہے
یہ نام اُس وقت کسی کے ذہن میں آگیا ہو یا پہلے سے محفوظ رہا ہو اور اُس
استعمال نہ کیا گیا ہو اور اب یہ وقت ضرورت منظر عام پہ لایا گیا ہو۔

یہ ذمہ داری محدّث دہلوی پہ ہے کہ وہ بتائیں کہ یہ نام اس وقت
کی ایجاد ہے یا پہلے سے موجود تھا اور اس دور میں استعمال ہوا ہے لیکن
یہ بات بہر حال مسلّم ہے کہ اس سے پہلے اسلام میں ایک ہی لفظ تھا "شیعہ"
اور سب اسی نام سے یاد کیۓ جاتے تھے اب یہ نام اچھا تھا تو سب اچھے
تھے اور یہ نام بُرا تھا تو سب بُرے تھے لیکن تھے سب شیعہ ہی۔ اس کے
حالات نے پلٹا کھایا اور نئے نئے نام ایجاد ہونے لگے۔ کسی نے اپنے
کو زیدی کہا، کسی نے اسماعیلی کہا، کسی نے اہلسنت والجماعت کہا، کسی نے
کچھ اور کہا اور صرف ایک فرقہ وہ تھا جو آج تک اُسی نام پہ باقی ہے اور اس
پہ زمانہ کے کسی انقلاب کا اثر نہیں ہوا۔ چاہے یہ سمجھئے کہ اس فرقہ نے
مرسل اعظمؐ کے دیئے ہوۓ خطاب کے سامنے کسی انقلاب زمانہ کی پرواہ

نہیں کی اور اپنے خطاب پر قائم رہا۔ یا یہ کہیے کہ اس فرقہ نے اپنی اصلیت اور عظمت کا ایسا رعب قائم کر دیا تھا کہ سب نے اصلی نام کو اُس کے حوالے کر دیا اور اپنے لیئے نئے نام تلاش کر لیئے۔ ناموں کے اعتبار سے یہ بہرحال ماننا پڑے گا کہ اسلام کا اصلی فرقہ شیعہ ہے اس کے علاوہ تمام فرقے حالات کی پیداوار ہیں اور انھیں سیاستوں نے جنم دیا ہے۔ کسی فرقہ کو بھی اپنی اصلیت واصالت پر باقی رہنا ہے تو اُسے اپنے کو شیعہ ہی کہنا پڑے گا اس کے علاوہ کوئی نام روز قیامت نجات اور کامیابی کا ذریعہ نہیں بن سکتا نجات اسی لفظ کے لیئے ہے اور کامیابی اسی لفظ سے وابستہ ہے۔

ایک دانشمند انسان کا فرض ہے کہ دوسروں کی عداوت ودشمنی میں اپنے اس نام کو ترک نہ کرے جس سے اس کی نجات وابستہ ہو اور جس پر اس کی عاقبت کا پورا پورا دارومدار ہو۔

ابن سبا؟

ان بیانات سے واضح طور پر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لفظ شیعہ کا ذکر قرآن مجید اور روایات پیغمبر میں روز اول سے موجود ہے اور اس کی ایجاد میں کسی حادثہ یا سیاست کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس طرح ان لوگوں کا تصور باطل ہو جاتا ہے جو مذہب شیعہ کو ابن سبا کی پیداوار بتاتے ہیں اور جن کا خیال ہے کہ یہ پورا مذہب ایک مرد یہودی عبداللہ ابن سبا کی ایجاد ہے جس نے دور خلافت عثمان میں منظر عام پر جنم لیا اور پورے ممالک اسلامیہ کا دورہ کر کے مسلمانوں کو خلیفۂ وقت کے خلاف ورغلایا اور بالآخر انھیں قتل کرا کے حضرت علیؑ کو تخت نشین کرا دیا۔ اس کے پاس حضرت علیؑ کے بارے میں عجیب و

غریب قسم کے عقائد و نظریات تھے اور اس کے بعد انہیں غلو آمیز نظریات نے ایک دم شیعیت کی شکل اختیار کر لی اور اسلام میں ایک پورا فرقہ عالم وجود میں آگیا۔

یہ بحث بہت بعد کی ہے کہ شیعوں کے کون سے عقائد ابن سبا سے ماخوذ ہیں اور اُن کے عقائد و نظریات میں کہاں تک غلو شامل ہے۔ سب سے پہلے تو یہی بات زیر بحث ہے کہ عبداللہ بن سبا نام کی کوئی شخصیت عالم اسلام میں تھی بھی یا نہیں؟

دور حاضر کے محققین نے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچا دی ہے کہ عبداللہ بن سبا نام کی کوئی شے عالم اسلام میں نہیں تھی اور نہ یہ ممکن ہے کہ ایک اتنی بڑی انقلابی شخصیت پیدا ہو کر پورے اسلامی معاشرہ کو... منقلب کر دے اور تاریخ کو اس کی خبر نہ ہو۔

یہ خیال پہلے پہل ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو پیدا ہوا اور انھوں نے عبداللہ بن سبا کی شخصیت مشکوک قرار دیا اور بحث کے آخر تک میں اس کو قطعی طور پر خیالی وجود قرار دیدیا۔ ان کے بعد مختلف علماء اسلام نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور ابن سبا کو "مجنون بنی عامر" اور "ابو ہلال" جیسی افسانوی شخصیت بنا دیا۔ علامہ سید مرتضیٰ عسکری نے تو اس موضوع کو آخری منزل تک پہنچا دیا اور تفصیلی بحث کر کے ابن سبا کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا۔ ان کا خیال ہے کہ یہ طبری کے مشہور راوی سیف بن عمر کی پیداوار ہے اور اس کے پہلے اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ سیف بن عمر بھی ایک انتہائی غلط بیان اور جعل ساز آدمی ہے جس کے بیانات پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اور اُس کے اوہام و خیالات پر تاریخ کی دیواریں نہیں کھڑی کی جا سکتی ہیں۔

تاریخ اسلام میں کسی ایسی شخصیت کی پیداوار کا کوئی سُراغ نہیں ملتا جو اچانک اس قدر طاقتور ہو جائے کہ اسلامی مرکز میں اگر اتنا بڑا انقلاب برپا کر دے اور مسلمان تماشائی بنے رہیں یا اس کے ہمخیال بن جائیں۔

اگر یہ بات صحیح ہے کہ اس ایک یہودی نے قتل عثمان کا منصوبہ بنایا تھا اور اسلامی طاقت کو کمزور بنانا چاہا تھا تو مسلمان کہاں سو رہے تھے اور انھیں کیوں ہوش نہیں آیا تھا۔؟ انہوں نے اپنے "ہر دلعزیز" خلیفہ کو کیوں قتل کر دیا —— اور اگر مسلمان بدحواس تھے انھیں اچھے بُرے، مومن کافر کی کوئی تمیز ہی نہیں تھی تو —— امّ المومنین حضرت عائشہ کو کیا ہو گیا تھا کہ انھوں نے آواز سے آواز ملا کر قتل عثمان کا فتویٰ دیدیا اور اس وقت تک خاموش نہ بیٹھیں جب تک مدینہ کی زمین خلیفہ کے خون سے رنگین نہ ہوگئی کیا انہیں بھی ابن سبا ہی نے گمراہ کر دیا تھا ؟ اور اگر ابن سبا اتنی بڑی طاقت کا نام ہے کہ اُس نے حضرت عائشہ کو گمراہ کر دیا تو وہ کون ابن سبا تھا جو اُنھیں حضرت علیؑ کے مقابلہ میں جنگ جمل میں لے آیا تھا۔

پہلا ابن سبا تو حضرت علی کا حامی تھا اور اس نے اُنھیں کے لئے یہ سارا کاروبار کیا تھا یہ دوسرا ابن سبا کون تھا۔ ؟

—— کیا عبداللہ ابن زبیر بھی کوئی عبداللہ بن سبا تھا کہ اس نے اپنے باپ کو گمراہ کیا اور باپ نے ام المومنین کو بہکا کر میدان جمل تک پہنچا دیا۔ ؟

اور اگر یہ ابن سبا حضرت عثمان کے دور میں پیدا ہوا ہے تو وہ کون ابن سبا تھا جس نے قتل عمر کا منصوبہ بنایا تھا اور بالآخر ان کا بھی خاتمہ کرا دیا تھا اور اگر یہ ابن سبا حضرت علی کا مرید تھا تو وہ کون ابن سبا تھا جس نے ابن ملجم کو تلوار اور زہر فراہم کیا تھا۔ ؟

کی ص۲۸۴ سے ۲۸۹ تک دیکھ لے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ تلاوت قران میں یہ کس قدر غلطیاں کرتے تھے۔ اور دوسرے صحابہ سے خفت اوٹھاتی پڑتی تھی۔

رہے زید بن ثابت تو وہ بھی مثل انھیں کے علم قران سے بے بہرہ تھے اسی وجہ سے عبداللہ بن مسعود وغیرہ اس بارے میں ان کو ذلیل نگاہوں سے دیکھتے تھے[۱]۔ چنانچہ جب خلیفۂ سوم عثمان بن عفان نے لوگوں کو حکم دیا کہ زید بن ثابت کی قرات کے مطابق قران کی تلاوت کیا کریں تو عبداللہ بن مسعود نے خطبہ پڑھا اور اوس میں بیان کیا کہ مجھکو حکم دیتے ہو کہ زید کی قرات کے مطابق پڑھوں قسم خدا کی میں نے ستّر سورے قران کے حضرت رسول اللہ سے اوس وقت پڑھے تھے جبکہ زید سر میں دو گیسو لٹکائے ہوئے بچوں میں کھیلتا تھا (اور مسلمان بھی نہ تھا) ابو وائل جو راوی حدیث ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں صحابہ کے حلقوں میں بیٹھا لیکن کسی کو اس کلام کا جواب دیتے ہوئے یا اس کو غلط کہتے ہوئے نہیں دیکھا[۲]۔ اسی طرح اہل شام نے ابو درداء سے بھی یہی خواہش کی تھی کہ سورۂ واللیل میں مثل زید کے وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ پڑھیں مگر اونھوں نے اس طرح نہ پڑھنے پر قسم کھائی[۳]۔ اسی طرح سورۂ فتح کی قرات میں درمیان زید بن ثابت اور اُبی بن کعب کے اختلاف ہوا اور خلیفۂ دوم عمر بن خطاب نے زید کی تائید کی تو اُبیّ نے برہم ہو کر خلیفۂ دوم سے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ

[۲] استیعاب لابن عبدالبر جلد ۱ ص۳۷۹ مقدمہ ص۲۰۰۔ ص۲۳ صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ واللیل ۱۲۔

ل۱ عبداللہ بن مسعود وغیرہ کا زید بن ثابت کو علم قران میں لائق توجہ نہ سمجھنا بے وجہ نہ تھا۔ کیونکہ زید بن ثابت سنہ ہجری میں گیارہ سال کے تھے (کنز العمال جلد ۷ ص۳۷ ذکر زید مذکور) اور ابن مسعود اور اُبیّ اور ابودرداء وغیرہ سن رسیدہ اور طبقۂ اول کے صحابہ میں تھے اور فضلاء میں شمار کئے جاتے تھے۔ اور قران کو حضرت سرور عالمؐ کی خدمت میں ٹھکانے سے پڑھا تھا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ خلفاء ثلٰثہ کو بھی اپنی نگاہوں میں نہ لاتے تھے جیسا کہ متن کی گذشتہ اور آئندہ عبارتوں سے معلوم ہوا اور ہوگا۔ اگرچہ قران مجید کی خلفاء کے حسب خواہ ترتیب کا سہرہ زید کے سر پر باندھنے کی وجہ سے انکی عزت افزائی کیلئے بہت سی حدیثیں انکے فضائل میں بیان کی گئی ہیں اور باوجود کمسن ہونے کے کاتب وحی بھی قرار دیے گئے ہیں لیکن بفرض صحت روایت نقل راچہ عقل۔ آجکل کے اکثر منشیوں کو دیکھ لو جو چھاپے خانوں کی ہزاروں کتابیں لکھ ڈالتے ہیں مگر مضمون کتاب سے بیخبر رہتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی سرح جیسا مرتد اور واجب القتل بھی تو کاتب وحی قرار دیا جاتا ہے جس نے خود کہا کہ رسول اللہ کچھ بتاتے تھے اور ہم کچھ لکھ دیا کرتے تھے استیعاب ص۲۸۱۔ پھر کتابت وحی میں کیا فضیلت باقی رہی۔ کیا تعجب ہے اگر خلیفۂ دوم نے آنیوالی روایت نمبر ۳ میں کئیس ہو ہوتی سے زید کے متعلق بھی اسی مطلب کیطرف اشارہ کیا ہو جسکا عبداللہ بن سرح نے اپنے حق میں اقرار کیا تھا۔

ہیں حضرت رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور حضرت مجھکو پڑھایا کرتے تھے اور تم ڈیوڑھی پر بیٹھے رہتے تھے اور کبھی غایب رہتے تھے۔ تم کو اگر پسند ہو تو مجھے اجازت دو کہ جس طرح حضرت سے پڑھا ہے اوسی طرح لوگوں کو پڑھاؤں ورنہ میں زندگی بھر کسی کو ایک حرف نہ پڑھاؤں گا۔[۱]

علاوہ اِس کے خود خلیفۂ دوم زید ندکور کو ظالم اور بے اعتبار جانتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ کہا کہ ھٰذا اَوّلُ جَوْرٍ جُرْتَ فِی حُکْمِکَ یعنی یہ پہلا ظلم ہے جو تم نے حکم میں کیا۔[۲] اور ایک مرتبہ کہا کہ مَا زِلْتَ جَائِرًا مُنْذُ الْیَوْم یعنی تم آج سے ہمیشہ ظالم رہو گے۔[۳] اور ایک مرتبہ کہا کہ لَیْسَ ھُوَ بِوَحْیٍ تَزِیْدُ فِیْہِ اَوْ تَنْقُصُ یعنی یہ وحی نہیں ہے جس میں تم کمی یا زیادتی کرو۔[۴] اور ابوالحسن مازنی صحابی جو اہل عقبہ اور بدر سے تھے اُن کو مُضِل اور مُغوی جانتے تھے اور اُن کی شان میں آیۂ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا پڑھا۔[۵] یعنی اطاعت کی ہم لوگوں نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی پس گمراہ کر دیا اونھوں نے ہم کو راہِ خدا سے۔

اور دوسری ترتیب خلیفۂ سوم عثمان کے حکم سے ان کے اغراض کی تحصیل کے لئے ہوئی۔ خلیفۂ اول کا ترتیب دلوایا ہوا قرآن حفصہ کے پاس موجود تھا اور اس کی نقلیں کوفہ۔ بصرہ۔ شام۔ حجاز میں بھی پہنچ چکیں تھیں۔ لیکن ان سب کی ترویج روک دی گئی اور اپنے ترتیب دادہ قرآن کی نقلیں عالم میں پھیلائی گئیں۔

بہرحال مصحف ابوبکر کے ہوتے ہوئے دوبارہ ترتیب کی ضرورت سمجھی گئی۔ جس غرض نے خلیفۂ سوم کو اس فعل پر مجبور کیا اوسکو تو خدا جانتا ہے یا خود صاحب غرض۔ لیکن جو حدیثیں ہم تک پہونچی ہیں اون کو ہم نقل کر دیتے ہیں۔ صاحبان فہم غرض ترتیب خود کو سمجھ لیں گے۔ یہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بہت جلد

---

[۱] کنز العمال جلد ۱ ذکر قراآت صفحہ ۲۸۵ چھاپہ دکن نمبر حدیث ۳۳ ۴۸ و ۴۲ ۴۸ ۱۲ منہ [۲] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴ کتاب خلافت از قسم افعال بیان ادب قضا نمبر حدیث ۳۶۳۵ - ۱۲ منہ [۳] استقصاء الافحام صفحہ ۶۲ جلد ۲ بحوالہ محاضرات امام اہلسنت راغب اصفہانی ۱۲ منہ [۴] استقصاء الافحام صفحہ ۶۱ جلد ۲ بحوالہ کنز العمال ۱۲ منہ [۵] استیعاب جلد ۲ صفحہ ۶۳۵ چھاپہ دکن ذکر ابوالحسن مازنی ۱۲ منہ [۶] کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۸۱ چھاپہ دکن نمبر حدیث ۴۷۷۵

میری امت میں کچھ زندیق پیدا ہوں گے جو بدترین قبائل عرب ہیں اور وہ بنو امیہ اور بنو حنیفہ اور بنو ثقیف ہیں[۱]۔ ۲ اور بسند صحیح بشرط شیخین ابو برزہ اسلمی بیان کرتے ہیں کہ مبغوض ترین اشخاص حضرت رسول اللہ کے نزدیک بنو امیہ تھے[۲]۔ ۳ حضرت سرور عالم نے ارشاد فرمایا کہ میری قوم میں سب سے زیادہ میرے دشمن بنو امیہ اور بنو مغیرہ اور بنو مخزوم ہیں[۳]۔ ۴ اور ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہر چیز کے لئے آفت ہوتی ہے اور اس دین کیلئے آفت بنو امیہ ہیں[۴]۔ ۵ حضرت سرور عالم نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بنو امیہ کے لئے جہنم ہے[۵]۔ ۶ اور قرآن میں خداوند عالم نے بنو امیہ کو شجرۂ ملعونہ فرمایا ہے[۶]

خدا ورسول کے نزدیک تو بنو امیہ کی منزلت یہ تھی جو مذکور ہوئی **لیکن** خلیفہ سوم فرماتے ہیں کہ اگر میرے ہاتھ میں بہشت کی کنجی ہوتی تو بنو امیہ کو دے دیتا کہ سب کے سب (بدون استثناء کافر ومنافق کے) داخل بہشت ہو جائیں[۷]۔ بنو امیہ تو ان کے قوم وقبیلہ ہی سے تھے ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہمدردی کرتے اور کیا وہ ان کی حمیت قومی سے بعید نہ تھا۔ یہ ہمدردی جائز تھی یا ناجائز اس کا مرحلہ دوسرا ہے۔ انھوں نے تو اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح جیسے مرتد کے ساتھ یہ ہمدردی کی کہ حضرت سرور عالم صلوات اللہ علیہ وآلہ نے اوس کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ وہ بھاگ کر ان کے یہاں گیا۔ انھوں نے اوس کو چند روز اپنے گھر میں چھپا رکھا اس کے بعد حضرت کی خدمت میں انکی سفارش لائے اور عفو تقصیر کے لئے حضرت کا سر ہو یا اور اسقدر اصرار کیا کہ حضرت نے بکراہت منظور فرمایا[۸]۔ **علاوہ اس کے** اپنے قوم وقبیلہ کے فاسقوں اور کافروں اور مرتدوں کے ساتھ جو کچھ ہمدردیاں کیں وہ پوشیدہ

---

۱ کنوز الحقائق مناوی حرف سین وتطہیر الجنان مصنفہ ابن حجر مکی برحاشیہ صواعق ص۱۲۶ - ۱۲ منہ
۲ تطہیر الجنان ص۱۲۶ برحاشیہ صواعق واخبار الدول وکنز العمال جلد ۶ ص۹۸۔ نمبر حدیث ۱۱۳۲ - ۱۲ منہ
۳ کنز العمال جلد ۶ ص۴۲ نمبر حدیث ۷۰۵ - ۱۲ منہ ۴ کنز العمال جلد ۶ ص۳۹ نمبر حدیث ۶۹۰ - ۱۲ منہ
۵ کنز العمال جلد ۶ ص۳۹ کتاب فتن ۱۲ منہ ۶ روضۃ المناظر ابن شحنہ برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۱۱ ص۱۸۵ ودر منثور جلد ۴ ص۱۹۱ وکنز العمال جلد ۷ ذکر بنو امیہ ۱۲ منہ ۷ ترجمہ ازالۃ الخفا جلد ۳ ص۲۶۳ ذکر مآثر عثمان ومسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص۶۳ در مسند عثمان ۱۲۔ ۸ استیعاب ابن عبد البر ص۳۸۱ جلد ۱ ذکر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ؏

نہیں ہیں یہاں تک کہ اسی علت میں مارے گئے لیکن اپنے فعل سے باز نہ آئے۔

امام **اہلسنت** بغوی لکھتے ہیں کہ قران میں ستر عورت اور مرد قریشی اور بنوامیہ منافقوں کے نام مع اون کے باپ کے نام کے درج تھے جو نکال دیئے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اسماء منسوخ کر دیئے گئے تھے اسلیئے نکال دیئے گئے ع۲ کیونکہ انکی اولاد جو ایمان لانے والی تھی اون کا دل دُکھتا ع۱۔ لیکن حضرت رسول اللہ کے چچا ابولہب کا نام باقی رکھا گیا۔ خدا کو (معاذ اللہ) حضرت رسول اللہ اور ابولہب کی مومن اولاد کے دل دکھنے کی کوئی پرواہ نہ ہوئی۔ اور اوس کو جو کچھ بھی خوشامد اور خاطر منظور تھی وہ حضرت عثمان کے زندیق اور فاسق اور بدکار عزیز بنوامیہ کی جو دشمن خدا و رسول تھے

امام اہلسنت محی الدین ابن عربی (جو یزید کو خلیفہ برحق اور حضرت امام حسینؑ کو (معاذ اللہ) خارجی سمجھتے تھے) اپنی کتاب کبریت احمر میں لکھتے ہیں کہ "اگر ضعیف القلب لوگوں کے (عثمان کی طرف سے) بدگمانی کا خوف نہ ہوتا اور نااہلوں میں حکمت و مصلحتِ اسقاطِ آیات و الفاظ کو ڈال دینا نہ ہوتا تو میں کل ان چیزوں کو بیان کر دیتا جو مصحف عثمانی سے نکال دی گئیں۔

حاصل کلام یہ کہ ان مطالب سے باخبر شخص اس امر میں غور کرنے کا بھی محتاج نہیں ہے کہ جو شخص اپنے قوم و قبیلہ بلکہ ہر متعلق اور مربوط شخص کا ایسا ہمدرد ہو وہ اپنے قوم و قبیلہ کی مذمت قران میں ٹھنڈی نگاہوں سے ہرگز نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسی وجہ سے باوجود ترتیب او بکھری کے ان کو دوبارہ ترتیب ع۳ دلوانے کی ضرورت محسوس ہوئی

ع۱ تفسیر معالم التنزیل در تفسیر سورہ منافقون پ۲۸ منہ ع۲ یہ عذر محض غلط ہے کیونکہ منسوخ آیتیں قران میں ابھی تک بکثرت موجود ہیں۔ علاوہ اس کے خلیفہ سوم منسوخ کو نکالنا پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ ابو زبیر نے جب آیت وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا کی عثمان صاحب کے سامنے تلاوت کی ہے تو اونھوں نے کہا کہ یہ منسوخ ہے تو ابو زبیر نے پوچھا کہ کیا اس کو نکال دیجئے گا یا اپنی حالت پر چھوڑ دیجئے گا تو جواب دیا کہ اے بھتیجے کسی منسوخ کو ہم اپنی جگہہ سے نہ ہٹائیں گے (کنز العمال جلد ۱ ص ۲۳۴ قسم افعال فصل تفسیر نمبر حدیث ۴۲۴۴)

ع۳ کہا جاتا ہے کہ جناب عثمان کو نیچوں اور معلموں کے باہمی

شیخین نے اپنی ترتیب میں اپنے عزیزوں اور مربوطین کی بہبودی پیش نظر رکھی اور انھوں نے اپنے عزیزوں کی شیخین کو ان کے عزیزوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی اسی وجہ سے ان کے عزیز چچا یعنی حکم اور عزیز ترین اخوان یعنی مروان کے حق میں ان کی سفارش کو قبول نہ کیا بلکہ کچھ دور ہی نکال پھینکا۔[۱]

بہر حال اس ترتیب کی مہم با وجود عمّ اور با فضیلت اور حضرت رسولؐ سے پڑھے ہوئے فضلاء صحابہ بلکہ نفس رسول یعنی حضرت امیر علیہ السلام کے ہوتے ہوئے زید بن ثابت۔ ابن زبیر۔ سعید۔ عبدالرحمٰن کے حوالہ کی گئی (اتقان قسم ۱۸ صفحہ ۶۱) جو علم و تقویٰ اور دیانت دونوں سے محروم اور دشمن حضرت رسول و آلِ رسول اور دوستدارِ دشمنانِ اہلبیت و بنوامیہ تھے۔ **پہلے زید بن ثابت** جن کا حال قبل اسکے معلوم ہوچکا۔ **دوسرے عبداللہ بن زبیر** جو دشمنیِ اہلبیت میں مشہور اور جنگ جمل کے بانی اور مقام حوأب پر اسلام میں پہلے جھوٹھ بولنے والے اور رشوت دیکر پچاس آدمیوں سے جھوٹھی گواہی دلوانے والے تھے کہ یہ حوأب نہیں ہے۔ (روضۃ الاحباب ذکر جنگ جمل) اور حیات حضرت رسولؐ میں نو برس کے تھے۔ (اصابہ ذکر عبداللہ بن زبیر) **تیسرے سعید بن عاص** جو بنوامیہ جیسے

اختلافات اور ایک دوسرے کی تکذیب اور قرائتوں میں غلطیوں کی خبر ملی تو کہا کہ جب میری حیات میں یہ حالت ہے تو میرے بعد کیا ہوگا۔ پس اونھوں نے قرآن ترتیب دلوایا (اتقانِ سیوطی جلد ۱ صفحہ ۶۱ نوع ۱۸ ذکر جمع و ترتیب) لیکن سیوطیؒ ہی کی کتابوں میں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بروایتِ عکرمہ اور عبدالاعلیٰ اور یحییٰ بن نعیم اور سعید بن جبیر اور قتادہ خلیفہ صاحب نے جب اپنے ترتیب دلواتے ہوئے قرآن میں غلطیاں دیکھیں تو درست کرنے سے منع کر دیا اور کہا کہ عرب درست کرلیں گے (اتقان جلد ۱ نوع ۴۱ صفحہ ۱۸۴ و ۱۸۵ بروایت متعدد و کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۸۳ بروایت متعدد) اِن روایتوں کو دیکھکر مخلصین خلیفہ بہت اُچھلے کودے ہیں اور باتیں بنائی ہیں لیکن حدیث کے مقابل میں کسی کی راے مقبول نہیں ہوسکتی درحالیکہ خلیفہ صاحب کے ذاتی اغراض کی مؤید حدیثیں بھی بہت سی موجود ہیں جنمیں سے بعض تین مین ذکر کی گئی ہیں ۱۲ منہ عہ زید بن ثابت عثمانی تھے (استیعاب حال زید صفحہ ۱۸۶) اور عثمانی وہ لوگ کہلاتے ہیں جو حضرت علیؑ کے دشمن اور خلیفہ سوم کے دوستدار تھے اور زید بن ثابت دربار خلیفہ عثمان میں بیت المال کے خزانچی تھے (استیعاب) اور اس قدر صاحب مال ہوگئے تھے کہ ان کے مال و اسباب و زمین کی قیمت ایک لاکھ

[۱] سیرت حلبی در بیان منکرات عثمان و حکم و مروان ... کتاب

دشمنِ رسول و اہلبیت رسولؐ قبیلہ سے تھے۔ معاویہ کی طرف سے والیِ مدینہ تھے اور خلیفۂ سوم کی طرف سے عاملِ کوفہ۔ یہ بھی حیاتِ حضرت سرورِ عالم میں نوسال کے تھے (اصابہ حال سعید بن عاص) نہایت سخت قلب اور متکبر اور ظالم اور جابر تھے۔ (استیعاب حال سعید بن عاص)۔ **چوتھے عبدالرحمن بن حارث بن ہشام** جو دشمنِ رسول و اہلبیت رسول قبیلہ یعنی بنو مخزوم سے اور دشمنِ اہلبیت یعنی خالد بنِ ولید کے بھانجے اور خلیفۂ سوم عثمان کے داماد تھے اور حیاتِ حضرت رسول میں یا تو ایسے کمسن تھے کہ امام اہلسنت ذہبی نے ان کے صحابی ہونے سے انکار کیا ہے (حاشیہ تقریب التہذیب) یا پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

نتیجۂ کلام۔ جو ترتیب ایسے لوگوں کے ہاتھوں انجام پائی ہو معلوم ہے کہ وہ کہاں تک صحیح اور نزول کے مطابق اور لائق اعتبار ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے عقلِ سلیم نہایت استقلال کے ساتھ حکم کر رہی ہے کہ اہلبیت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی فضیلت مٹانے اور غیر معصوم کی عصمت اور غیر مستحقوں کی فضیلت ثابت کرنے کی غرض سے آیتِ تطہیر کی مذکر ضمیروں اور آیاتِ ازواج کی مونث ضمیروں میں فرق نہ کرنے والے بے بصیرت ور جاہل ترتیب دینے والوں نے آیتِ تطہیر کو کہیں دوسری جگہ سے اوٹھا کر آیاتِ ازواج کے درمیان میں ڈال دیا ہے اور اسی طرح دوسرے نامربوط آیات کے متعلق بھی یہی شبہ پیدا ہو سکتا ہے اور اسی طرح ان آیتوں میں بھی جو ایسے شخص سے متعلق بتائی جاتی ہیں جسکی شان سے مناسبت نہیں رکھتیں۔ جیسے لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ الخ اور وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ اور اس کے امثال۔

تنبیہ۔ جہاں یہ یقینی امر ہے کہ قرآن مقدس میں کچھ کمی کر دی گئی اور سورتوں اور آیتوں کی ترتیبِ نزول کے مطابق باقی نہ رکھی گئی وہاں یہ بھی یقینی ہے کہ اس میں زیادتی نہیں کی گئی اور کلامِ انسان شامل نہیں کیا گیا۔ بلکہ جو کچھ اس میں ہے وہ خدا ہی کا کلام ہے

بشر فی تھی اور ان کے بعد ان کا مملوک سونا اور چاندی ہتھوڑے سے توڑ کر تقسیم کیا گیا۔ (مروج الذہب مسعودی بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۵ صفحہ ۱۵ در حالِ عثمان ۱۲ منہ

متعلق مقدمہ ۲۷

تتمیم فیہ نفع عظیم

سوروں کے نام کس نے مقرر کئے

بھاونگر کاٹھیاوار صوبہ گجرات سے جناب حاجی مولوی غلام علی صاحب اڈیٹر راہ نجات دام عزہ نے اس سوال کا جواب دریافت کیا ہے۔

جواب - سوروں کے فضائل اور خاصیتوں اور تفسیروں کے متعلق جو حدیثیں حضرت سرور عالم صلوات اللہ علیہ و آلہ سے کتب فریقین میں نقل کی گئی ہیں ان میں سوروں کے نام صاف صاف ذکر کئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام یا تو خود خداوند عالم نے مقرر فرمائے ہیں یا حضرت سرورِ عالم صلوات اللہ علیہ و آلہ نے خداوند عالم کی اجازت اور رضامندی سے فرمادیئے ان ناموں کی تصریح کتب شیعہ میں سے اصول کافی اور تفسیر برہان وغیرہ میں ہے۔ اور کتب اہلسنت میں سے کنز العمال جلد اول وغیرہ ہے۔

جمع و ترتیب اور کتابت اور کاتب قرآن اور بعض دوسرے مطالب کے متعلق چند سوال

بھاگلپور سے جناب مولوی سید احمد علی صاحب دام عزہ نے پانچ سوال لکھے ہیں جنکا اجمالی جواب اگرچہ اس مقدمہ کے مضامین سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن اگر تھوڑی توضیح کر دی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے چند حدیثیں نقل کر دی جاتی ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ کل سوالوں کے جواب کے لئے کافی ہوں گی۔

(۱) حضرت امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ نے اوس کو مجھے پڑھایا اور حضرت بتاگئے اور میں اوس کو اپنے ہاتھ سے لکھتا گیا۔ اور حضرت نے اوس کی تاویل اور تفسیر اور ناسخ اور منسوخ اور محکم اور متشابہ مجھکو تعلیم فرمایا اور بارگاہ پروردگار میں دعا کی کہ ان کو

سمجھنے اور یاد رکھنے کی قابلیت مجھکو عطا فرمائیے پس نہ تو میں کوئی آیت بھولا نہ علم (قران) جس کو حضرت نے تعلیم فرمایا۔ اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضرت نے قران مجید کی کل آیتوں کو لکھا ایک آیت بھی نہ چھوڑی اسلئے کہ یہ حدیث صاف بتارہی ہے کہ ہر آیت کے نازل ہونے کے بعد ہی حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ حضرت علی علیہ السلام کو پڑھا دیتے اور لکھوا دیا کرتے تھے۔ دوسرے اسی بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت کا لکھا ہوا قران نزولی ترتیب کے مطابق تھا کیونکہ لکھنے کی پابندی سے تھرا ترتیب حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اسپر شاہد حدیث بطریق اہلسنت گذر چکی کہ حضرت نے نزولی ترتیب کے مطابق قران کو ترتیب دیا۔ تیسرے یہ کہ حضرت سرور عالم نے حضرت کو علوم قران تعلیم کئے جو تھے یہ کہ قابلیت فہم و حفظ عطا کرنے کی دعا کی۔ پانچویں یہ کہ حضرت رسول کی دعا مقبول ہوئی۔ اور حضرت علیؑ نہ کوئی آیت بھولے نہ کوئی علم۔ چنانچہ حضرت نے پورا قران تنہا جمع کر لیا۔ اور دوسروں کو صحابہ سے لیکر گواہی کے ساتھ جمع کرنے کی ضرورت پڑی۔ اگر حضرت عثمان کے پاس پورا قران ان کا لکھا ہوا ہوتا یا قران کے حافظ ہوتے تو نہ ترتیب دلوانے کی ضرورت ہوتی نہ دوسروں کے مدد کی۔ ع۲ اسی حدیث کے آخر میں حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے میری دعا تمہارے حق میں اور تمہارے شریکوں کے حق میں قبول کر لی۔ میں نے پوچھا کہ میرے شریک کون لوگ ہیں فرمایا جن کو خدا نے آیت اَطِیْعُوا اللّٰہَ میں اپنے ساتھ ذکر کیا ہے اور وہ میرے اوصیا ہیں اور قران اون کے ساتھ ہے اور وہ قران کے ساتھ اور وہ حسنؑ اور حسینؑ اور حسینؑ کی اولاد۔ اور ہر ایک نام مہدی آخر الزمان تک بتایا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو خصوصیت اور تعلق قران اور علم قران سے حضرت علیؑ کو تھا وہی باقی گیارہ ائمہ علیہم السلام کو بھی تھا ع۳ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ سوا حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے جو اُن کے بعد امام ہوئے جو شخص بھی دعوے کرے کہ پورا قران نزول کے مطابق جمع کر لیا اور حفظ کر لیا وہ جھوٹا ہے اور قبل اس کے عبداللہ بن نجم جلائیں ذکر کی گئی ہے کہ وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ یہ نہ کہو کہ میں نے پورا قران پایا کیونکر اس کا بہت سا

ع۱ تفسیر صافی دوسرا مقدمہ ص۵ چھاپہ ایران ۱۲ منہ

حصہ ضائع ہوگیا۔ ۴ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ سوا ر اہلبیت کے کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ پورا قرآن اوس کے پاس ہے اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سوا ر اہلبیتؑ کے پورا قرآن کسی کے پاس نہیں ہے اور مؤید اس کی حدیث عبد اللہ بن عمر ہے جو ذکر کی گئی اور حدیث تفسیر اتقان کہ حضرت علیؑ نے نزول کے مطابق جمع کرلیا تھا۔

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ نے مکہ سے تنہا سفر کیا کوئی چیز اپنے ساتھ نہ لی اور امانتوں کی اداکاری اور اسباب کو مدینہ تک لانا حضرت علیؑ کے سپرد کیا تھا جو کتب فریقین سے ثابت ہے اور واقعات ہجرت میں مذکور۔ اس لئے جو کچھ حصہ قرآن مجید کا مکہ میں نازل ہوا تھا اوس کو مدینہ تک حضرت علیؑ لائے۔

۵ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم نے (آخر وقت) حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا کہ قرآن میرے فرش کے سرہانے ہے جو کچھ کھال پر لکھا ہوا تھا اور کچھ ریشم کے کپڑے پر اور کچھ کاغذ پر اس کو لیکر جمع کر ڈالو پس حضرت نے سب کو زرد کپڑے میں رکھ کر باندھا اور حضرت رسول ہی کے گھر میں اوس پر مہر لگائی اور بعد انتقال حضرت کے اکٹھا جمع کیا۔ ۶ طلحہ نے حضرت علی سے پوچھا کہ آپ نے جو قرآن جمع کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ کتاب خدا ہے جس میں سے ایک حرف بھی نہیں چھوٹا وہ قرآن کہاں ہے ہم لوگ اوس کو دیکھتے نہیں ہیں حضرت نے جواب دیا کہ جس قدر آیتیں خدا نے بھیجیں وہ کل میرے پاس ہیں حضرت سرور عالم بتاتے گئے تھے اور میں لکھتا گیا تھا۔ اوس میں سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ لیکن جو قرآن تم لوگوں نے جمع کیا ہے اگر تم لوگ اوس پر عمل کرو گے تو تمھارے نجات کیلئے وہی کافی ہے کیونکہ اوس میں ہماری حجتیں موجود ہیں۔ اور ہمارے حقوق مذکور ہیں۔ اور ہماری اطاعت کا وجوب بھی بیان کردیا گیا ہے مقصود حضرت کا یہ ہے کہ اگر تم لوگ اوسی مقدار پر عمل کروگے تو ہماری اطاعت کرلوگے اور ہمارا جمع کیا ہوا قرآن تم کو مل سکیگا۔ لیکن چونکہ معلوم ہے کہ اوس پر عمل نہ کروگے

---

۴ تفسیر صافی صفحہ ۵ مقدمہ ۲ چار ورں نمبر ۱۳ سنہ۔ ۵ تفسیر صافی مقدمہ ۶ صفحہ ۹

اور ہم سے منحرف ہو جاؤ گے (جیساکہ ہوا اور دنیا نے دیکھ لیا) اور راہ نجات چھوڑ دو گے تو ایسی صورت میں ہمارا جمع کیا ہوا قران بھی تمھارے لئے بیکار ہے۔

جناب ابو ذر غفاری کی حدیث اوپر ذکر کیجا چکی ہے کہ حضرت نے اپنا جمع کیا ہوا قران صحابہ کو دکھایا۔ خلیفہ اول نے کھولا تو پہلی نگاہ اون آیتوں پر پڑی جو مہاجرین والنصار کے منافقوں کی مذمت میں نازل ہوئی تھی تو خلیفہ صاحب نے کہا کہ ہم کو ایسے قران کی ضرورت نہیں ہے۔ اور بند کر کے حضرت کو دے دیا اور حضرت نے فرمایا کہ اتمام حجت ہو چکی حضرت رسولؐ کی فرمائش کے مطابق حجت تمام کرنے کی غرض سے ہم نے دیکھایا تھا اور جو ہوا اوس کی خبر حضرت نے دیدی تھی۔ اور حضرت گھر واپس آئے۔ اور خلیفہ اول نے زید سے دو گواہوں کی گواہی پر مذمتیں نکال کر قران جمع کرایا۔ پھر مشورہ ہوا کہ حضرت کا قران حیلہ سے لیکر ضایع کر دیا جائے۔ ایک مرتبہ خلیفہ دوم نے اور دوسری دفعہ طلحہ نے مانگا اور حضرت نے نہ دیا۔ کیونکہ حضرت رسولؐ کل باتوں کی خبر دیچکے تھے۔ پھر حضرت کو قتل کر دینے کی تدبیر کی گئی۔ خالد اس کے لئے تیار کیا گیا۔ لیکن اوس کی کیا مجال تھی کہ شیر خدا کو قتل کرتا[۱]

[۲] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر نزول کے مطابق قران پڑھا جائے تو اوس میں ہم لوگوں کا نام تم پاؤ گے[۲]

[۳] حضرت پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ کاتبوں نے قران میں کچھ حروف بڑھا دئیے ہیں[۳]

اور **اہلبیت علیہم السلام** کی حدیثوں سے ان حروف کا پتہ ملجاتا ہے اور آیتوں کی ترتیب بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ پس حدیثوں کی مدد سے قران کا صحیح معنی معلوم ہو جاتا ہے۔ اور دینی امور میں حرج واقع نہیں ہوتا

اٹھائیسواں مقدمہ

الزام اور اتمام حجت کا معیار دنیا میں کچھ تو لامذہب ہیں اور کچھ صاحب مذہب۔ صاحبِ مذہب میں کچھ خداپرست ہیں کچھ غیر پرست۔ خداپرستوں میں کچھ عیسوی یعنی اون کو ماننے والے ہیں کچھ غیر عیسوی۔ عیسویوں میں کچھ محمدی ہیں کچھ غیر محمدی۔ محمدیوں میں کچھ امامیہ ہیں

---

[۱] تفسیر صافی مقدمہ ۶ صفحہ ۱۲ [۲] تفسیر صافی مقدمہ ۶ صفحہ ۹ [۳] تفسیر صافی مقدمہ ۶ صفحہ ۹

کچھ غیر امامیہ[عہ] - امامیہ میں کچھ اثنا عشریہ ہیں کچھ غیر اثنا عشریہ -

اب دیکھو کہ دینِ اسلام کل اگلے دینوں کا ناسخ ہے اس واسطے اب دینِ اسلام ہی واجب الاتباع اور برحق ہے - اور باقی ادیان باطل و متروک - اور حضرت سرورِ عالم کی یہ فرمائش کہ دینِ اسلام میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں سے صرف ایک ناجی ہوگا اور باقی ناری [لہ] دینِ اسلام کے مسلّمات سے ہے - اور مذاہب آپس میں اصولِ مذہب سے پہچانے جاتے ہیں اور ایک مذہب کو دوسرے مذہب سے جدا کرنے والے ہر مذہب کے اصول ہی ہیں - اور اسلام کے کل فرقوں میں مشترک اصولِ وحدانیت اور رسالت اور قیامت ہے - اور امامیہ فرقوں کے اصول میں[عہ] عدالتِ پروردگار اور امامتِ ائمہ اطہار بھی داخل ہے - اور خداوند عالم نے ائمہ مذہب کی تعداد قرآنِ مجید میں بارہ بتائی ہے - ارشاد فرماتا ہے - اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (سورہ بقرہ آیت ۲۸ پارہ یکم) یعنی میں زمین میں خلیفہ (جانشین) قرار دینے والا ہوں انی جاعل اخبار ہے ارادہ پروردگار سے اس واسطے اس کو نکال دینے پر فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً باقی رہجاتا ہے یعنی زمین میں خلیفہ ہیں - کتنے؟ جتنے اس میں حروف ہیں - ۱ف ۲ی ۳ا ۴ل ۵ا ۶ر ۷ض ۸خ ۹ل ۱۰ی ۱۱ف ۱۲ۃ -

اس جملہ کے معنی سے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی خلافت کو بیان کیا ہے اور حروف کے عددوں سے ان کی تعداد کو بتایا ہے - اور مؤید اس کی کہ خدا نے انھیں کی خلافت کو مراد

عہ جیسے خوارج نہروان اور نواصب جو اہلبیت رسول اللہ میں سے کسی کو امام اور پیشوائے امت اور جانشین حضرت سرور عالم نہیں مانتے ۱۲ - لہ کنز العمال جلد ۶ صـ ۳۵ بروایت متعدد بطریق اہلسنت و فصول المہمہ مصنفہ حر عاملی علیہ الرحمہ باب ۱۱۶ صـ ۲۶ بطریق شیعہ عہ چونکہ مشترک اصول یعنی وحدانیت و رسالت و قیامت سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہے اس لئے ان کی دلیلوں کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں چونکہ عدالت و امامت سے کچھ مسلمان منکر ہیں اس لئے اس امر پر تنبیہ کر دینا ضرور ہے کہ انکار کرنیوالے اپنے ذاتی اغراض سے اپنے مذہب کے اصول سے کنارہ کش ہو گئے ہیں کیونکہ عدالت پروردگار اور اس کے ظالم نہ ہونے کے متعلق آیتیں قرآن میں بہت ہیں جیسے تمت کلمة ربك صدقا وعدلا (سورہ انعام پ۸ آیت ۱۱۵) اور لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ (سورہ یونس پ۱۱ آیت ۴) اور اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ (سورہ نساء پ۵ آیت ۴۴) اور اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا (سورہ یونس پ۱۱ آیت ۴۵) اور وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا

لیا ہے - حدیث امام محمد باقر علیہ السلام سے تفسیر میں کلام پروردگار اِنِّی اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ
کے ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوند عالم کی غرض اس آیت سے یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی
قدرتِ کاملہ سے ایک ایسی مخلوق (آدم) کو پیدا کروں جسکی ذریت سے انبیاء اور مرسلین اور بندگان
صالح اور ائمۂ مہدیین کو پیدا کروں گا جنکو اپنی زمین میں اپنی مخلوق پر اپنا خلیفہ قرار دوں گا جو
میری اطاعت کی طرف لوگوں کو ہدایت کریں گے - اور میری معصیت سے منع کریں گے لے
اور تفسیر برہان میں لکھتے ہیں کہ غرض ہم سے حضرت محمد مصطفیٰ اور ائمہ علیہم الصلوٰۃ والسلام
کو پیش کرنا مقصود ہے - اور حضرت سرورِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہونگے
اور سب قریشی ہوں گے - اور ان بارہ کی تعیین اپنی ذریت طاہرہ میں کی ہے (دیکھو تفصیل تیئیسویں
اور بائیسویں مقدمہ میں) اور اپنی متواتر فرمائش حدیث ثقلین میں عدم گمراہی کو دو چیزوں
کے اختیار پر منحصر کیا ہے - ایک کتاب خدا دوسری اپنی عترت طاہرہ (دیکھو تفصیل دونوں
مذکورہ مقدموں میں) اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک وہی مذہب صحیح اور مقبول ہے

(سورہ کہف پ۱۵ آیت ۴۹) اور امامت ائمہ کے متعلق بھی آیتیں قرآن مجید میں بہت ہیں جیسے آیت غدیر
يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ اور آیت ولایت إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ اور آیت كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ
وغیرہ اور کتب احادیث اہلسنت میں حدیثیں بھی بے شمار ہیں جیسے حدیث ثقلین اور حدیث منزلت
اور حدیث سفینہ اور حدیث امان اور حدیث اثنا عشر ائمہ اور حدیث اقتدار و تعلّم اور وہ حدیثیں
جو حضرت مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق ہیں اور وہ حدیثیں جن میں ائمہ اثنا عشر علیہم السلام
کے اسماء مبارکہ کی تصریح کی گئی ہے - اور یہ حدیثیں تھوڑی تھوڑی تیئیسویں اور بائیسویں مقدمہ میں
ذکر کر دی گئی ہیں اور کتاب ینابیع المودۃ میں بتفصیل مذکور ہیں پس اس بنا پر قرآن اور حدیث کے ماننے والوں
کے مذہب کے اصول میں عدالت اور امامت ائمہ اثنا عشر علیہم السلام بھی داخل ہے اور درحقیقت یہ لوگ اصول
مذہب کے لحاظ سے امامیہ ہیں لیکن اپنے خاص اغراض کی وجہ سے اپنے مذہبی اصول کو دل سے ماننا نہیں چاہتے
اگرچہ بعض وقت مجبوراً محبت اہلبیت کا زبانی دعویٰ کرتے ہیں جسکی تصدیق ان کا دل نہیں کرتا اگر یہ لوگ انصاف کریں
تو انکے اصول مذہب بھی انکے اثنا عشری ہو جانے پر انکو مجبور کرینگے - مختصر یہ کہ قرآن و حدیث ماننے والوں کو عدالت و امامت کے ماننے سے
کوئی چارہ اور چھٹکارہ نہیں ہے اور یہ دونوں چیزیں اصول مذہب ہیں بے دلیل نہیں ہیں ۱۲ منہ

جس کے اصول میں حضرت سرورِ عالم کے بعد بارہ ائمہ علیہم السلام کی امامت بطور جزئیت کے لیگئی ہے اور نجات پانے والا وہی فرقہ ہے جو ایسے ہی مذہب کا پابند ہے۔ اور ایسا مذہب اور فرقہ اثنا عشری کے سوا دوسرا نہیں ہے۔ اور خدا و رسول کے مقرر کردہ اصول میں سے ایک جزو کا منکر بھی نتیجہ میں مثل اوس شخص کے ہے جو پورے اصول کا منکر ہو۔ جیسے کوئی شخص اصول اسلام میں سے وحدانیت اور رسالت کا معتقد ہو لیکن قیامت یا حضرت رسول اللہ کی معراج کا انکار کرے وہ مثل اوس شخص کے ہے جو تینوں اصول میں سے کسی کا معتقد نہ ہو اسی طرح امامیہ مذہب والوں میں سے اگر کوئی شخص یا کوئی فرقہ بارہ ائمہ میں سے ایک امام کی امامت کا بھی انکار کرے تو وہ مثل اوس شخص کے ہے جو کسی امام کی امامت کو نہ مانتا ہو کیونکہ خدا و رسول نے بارہوں ائمہ کی امامت کو مذہب صحیح و مقبول کا جزو قرار دیدیا ہے اور ان کل حضرات کی امامت کے اعتقاد کو عدم گمراہی میں دخیل اور نجات کا ذریعہ فرمایا ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ تین قسم کے لوگوں کی طرف خداوند عالم قیامت میں توجہ نہ کرے گا اور نہ اون کے کسی عمل کو قبول کرے گا اور ان کیلئے عذاب دردناک ہے۔ اون تین میں سے ایک وہ شخص ہے جو ایک امام کی امامت سے بھی انکار کرے (فصول مہمہ صفحہ ۲۹) **اب ذرا غور کرو** تو معلوم ہو جائے گا کہ سوائے مذہب اثنا عشری کے باقی کل مذاہب کے اصول مذہب حق کی مخالفت میں شریک ہیں یعنی ائمۂ اثنا عشر علیہم السلام کی امامت کے انکار میں متحد ہیں اس لئے کہ مخالفینِ اصول اسلام اور وہ مسلمان جن کے اصولِ مذہب میں امامت داخل نہیں ہے۔ امامتِ ائمہ علیہم السلام سے ان کا انکار بدیہی ہے۔ رہے امامیہ میں سے وہ لوگ جو کل ائمہ کی امامت کو نہیں مانتے تو وہ بھی انکار جزو کی وجہ سے منکرِ کل اور منکرِ اصولِ مذاہب حق ہیں۔ پس پوری تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ سوائے مذہبِ اثنا عشری کے باقی کل مذاہب معتقد بہا کے اصول انکارِ امامتِ ائمۂ اثنا عشر میں متحد اور شریک ہیں۔ پس اسلام کے تہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقۂ اثنا عشریہ از روے اصول متفرد ہے۔ اور حضرت سرورِ عالم نے جس ایک ہی فرقہ کو ناجی قرار دیا ہے وہ یہی فرقہ قرار پاتا ہے۔

منجملہ ان کے صحیح مسلم ہے اور جامع ترمذی کتاب فتن باب ما جاء فی الخلفاء صفحہ ۳۲۳۔ و مشکوۃ باب مناقب قریش صفحہ ۵۵ اور لکھا ہے کہ اس حدیث پر سب کا اتفاق ہی۔ و سنن ابو داؤد کتاب مہدی جلد ۲ صفحہ ۱۳۰۔ و صواعق محرقہ میں ہی کہ اس حدیث کو ہم صحابہ سے زیادہ نے بیان کیا ہی باب اول فصل ۳۱۔ مختصر یہ کہ یہ حدیث متواتر ہے ۱۲ منہ۔

اور اصول مذہب سے ہماری غرض وہ چیزیں ہیں جن کو اوس مذہب کی آسمانی کتاب اور اوس مذہب کے رئیس اور بانی اور مروج یعنی نبی اور وصی نبی کی فرمائشیں اوس مذہب کی بنیاد اور ہدایت وگمراہی کا دار و مدار قرار دیتی ہوں اگرچہ اہل مذہب اپنی خود غرضیوں سے نہ مانیں اون کا نہ ماننا اصولِ مذہب کو برطرف نہیں کر سکتا۔

واضح رہے کہ مذہب اہلسنت کی آسمانی کتاب یعنی قران اور رئیسِ مذہب یعنی حضرت سرورِ عالم کی حدیثیں جو ان کی کتابوں میں بسند معتبر مندرج ہیں خلفاء ثلثہ کی خلافت کو جزو مذہب قرار نہیں دیتیں اور علماء اہلسنت کو اس کا اقرار ہے اور ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی امامت کو جزو مذہب قرار دیتی ہیں جیساکہ اکیسویں اور بائیسویں مقدمہ میں بتفصیل بیان کیا گیا۔

نتیجہ کلام ان بیان سے دو امروں کو ظاہر کرنا مقصود ہے ایک یہ کہ ہر فرقہ کے اصولِ مذہب سے آگاہی ہو جائے تاکہ اُسی کے اصول مذہب سے اوس پر الزام اور اتمام حجت کیا جائے کیونکہ اصول تہذیب سے نکلکر کسی فرقہ پر حجت تمام نہیں ہو سکتی۔ پس اگر کوئی فرقہ ایسے لوگوں کے فعل یا قول سے کسی ایسے فرقہ پر حجت تمام کرنا یا الزام لگانا چاہے جن

له صحیح بخاری اور سنن ابو داؤد میں خلیفہ دوم کی صریح حدیث اس مضمون کی موجود ہے کہ حضرت سرورِ عالم نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا قَالَ عُمَرُ اِنْ اَسْتَخْلِفْ فَقَدِ اسْتَخْلَفَ مَنْ ھُوَ خَیْرٌ مِنِّیْ اَبُوْبَکْرٍ وَاِنْ اَتْرُکْ فَقَدْ تَرَکَ مَنْ ھُوَ خَیْرٌ مِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَاَثْنَوْا عَلَیْہِ (بخاری کتاب الاحکام باب استخلاف جلد ۴ ص ۱۹۶ چھاپہ مصر) یعنی عمر نے کہا کہ اگر میں کسیکو خلیفہ بناؤں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اوس نے خلیفہ بنایا جو مجھ سے بہتر تھا یعنی ابو بکر اور نہ بناؤں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ رسول اللہ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا جو مجھ سے بہتر تھے۔ قَالَ عُمَرُ اِنِّیْ لَا اَسْتَخْلِفُ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَمْ یَسْتَخْلِفْ وَاِنْ اَسْتَخْلِفْ فَاِنَّ اَبَا بَکْرٍ قَدِ اسْتَخْلَفَ (سنن ابو داؤد باب فی الخلیفۃ یستخلف ص ۱۴۱ چھاپہ اصح المطابع) یعنی عمر نے کہا کہ اگر میں کسیکو خلیفہ نہ بناؤں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ رسول اللہ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا الخ اس واسطے وہ حدیثیں جنمیں فلاں اور فلاں کو خلیفہ بنانا مذکور ہے وہ بنائی ہوئی اور جھوٹی ہیں۔ صحیح بخاری اور سنن ابو داؤد صحاح ستہ میں داخل اور اول درجہ کی کتابیں ہیں۔ اور دونوں روایتیں خلیفہ دوم کے بیٹے عبد اللہ سے منقول ہیں۔ اور امام اہلسنت نووی کہتے ہیں کہ عبد اللہ کی حدیث کا حکم قیامت تک باقی رہیگا (حاشیہ سنن ابو داؤد ص ۱۴۱) ۱۲ منہ

قول یا فعل کو اس فرقے والے حجت اور معتبر نہیں سمجھتے تو نہ یہ حجت اون پر تمام ہوسکتی ہے اور نہ یہ الزام صحیح ہے۔ مثلاً اگر اون خلفاء کے قول یا فعل سے جن کو شیعے حضرت رسول اکرمؐ کا برحق جانشین نہیں جانتے کوئی شخص ان پر حجت تمام کرنا یا الزام لگانا چاہے تو یہ بحث مناظرہ سے خارج سمجھی جائے گی۔ ہاں اہلسنت کے اصول مذہب میں چونکہ ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی امامت داخل ہے اور وہ لوگ قران و حدیث کی حجیت کا زبان سے اقرار کرتے ہیں اور ان دونوں سے انحضرات کی امامت ثابت ہے اس لئے ان حضرات کے قول و فعل سے اس فرقہ کے لوگوں پر الزام بھی لگایا جاسکتا ہے اور حجت بھی تمام کی جاسکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ عقلی دلیل چونکہ بحیثیت عاقل ہونے کے ہر فرقہ کے لوگوں کے نزدیک مقبول اور مشترک ہے اس واسطے عقلی دلیلوں سے برلا مذاہب اور صاحب مذہب پر حجت تمام ہوسکتی ہے۔ کوئی عقل اس سے انکار نہیں کرسکتا اور دنیا کے عقلاء میں عقلی دلیلوں سے اتمام حجت کثرت سے جاری و ساری ہے۔

انتیسواں مقدمہ

آیات مدح اہلبیت و مذمت دشمنان اہلبیتؑ کا مطالبہ

بطریق شیعہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قران چار حصوں میں نازل ہوا ہے ایک حصہ ہم اہلبیت کی شان میں ہے اور ایک حصہ ہمارے دشمنوں کی شان میں۔ اور ایک حصہ حالات میں اور ایک حصہ فرائض اور احکام میں اور قران کی بہترآیتیں ہم ہی لوگوں کی شان میں ہیں۔ (تفسیر صافی مقدمہ سوم بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی)

اور بطریق اہلسنت تین روایتیں نقل کی گئی ہیں **ایک یہ کہ** اہلبیت کی شان میں ایک چوتھائی قران نازل ہوا دوسرے یہ کہ تین سو آیتیں یا کچھ اس سے زائد نازل ہوئیں تیسرے یہ کہ ستر آیتیں نازل ہوئیں **چنانچہ** حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ قران چار حصوں پہ نازل ہوا ایک حصہ ہم اہلبیت کے حق میں اور ایک حصہ ہمارے دشمنوں کے حق میں۔ اور ایک حصہ حالات و امثال میں اور ایک حصہ فرائض و احکام میں اور قران کی بہتر آیتیں ہم لوگوں کی شان میں ہیں (ارجح المطالب باب ۳ صفحہ بحوالہ ابوبکر بن مردویہ و ینابیع المودۃ

ص ۴۲ و ص ۱۰۳ بحوالہ مناقب) اور بحر العلوم و امام مفسرین اہلسنت یعنی عبداللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی شان میں تین سو آیتیں نازل ہوئیں (صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۳ ص ۷۶ و ارجح باب ۲ ص ۵۶ بحوالہ ابن عساکر) اور مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی شان میں ستر آیتیں نازل ہوئیں (ارجح المطالب باب ۲ ص ۵۶ بحوالہ ابوبکر بن مردویہ) لیکن ترجیح پہلی دونوں حدیثوں کو ہے ایک اس وجہ سے کہ پہلی حدیث کے راوی حضرت علی ہیں جو علم قران اور علوم اولین و آخرین کے جامع تھے۔ اور دوسری حدیث کے راوی بحر العلوم اور امام مفسرین اہلسنت یعنی عبداللہ بن عباس ہیں۔ دوسرے اس وجہ سے کہ یہ دونوں بزرگ اہلبیت اور خاندان حضرت سرور عالم سے تھے۔ قران ان کے گھر میں نازل ہوا اور علم قران کو یہ لوگ دوسروں سے زیادہ جانتے تھے چنانچہ جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ابن عباس کو خوارج سے مباحثہ کے لئے بھیجنا چاہا اور فرمایا کہ اپنے مطالب کے ثبوت میں قران کی آیتوں کو پیش نہ کرنا بلکہ حدیث رسول اللہ پیش کرنا تو ابن عباس نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین میں کتاب خدا کا علم ان سے زیادہ رکھتا ہوں کیونکہ قران میرے گھر میں نازل ہوا ہے تو حضرت نے (ان کی تصدیق کی اور) فرمایا کہ سچ کہتے ہو لیکن قران کی آیتیں بہت سے معانی پر محمول ہوتی ہیں۔ تم کوئی معنی مراد لوگے وہ کوئی معنی لے

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ ابن عباس علم قران کو دوسروں سے زیادہ جانتے تھے۔ دوسرے یہ کہ قران جن کے گھر میں نازل ہوا وہ اس کے علم کو دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں۔ اہلسنت کے علامہ اور مذہب اہلسنت کے سچے حامی اور ہمدرد یعنی شبلی صاحب نے اپنے کلام صاحب البیت ادری بما فیہا (گھر والے ان چیزوں سے بہت زیادہ آگاہی رکھتے ہیں جو اس میں ہیں) سے اسی مطلب کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ نے ابو حنیفہ کے شاگرد حضرت امام جعفر صادق ہونے سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادق کے معاصر اور ہمسر تھے اس لئے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن ابن تیمیہ کی یہ گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے

۵ اور ینابیع المودۃ

لہ تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۱۲۲ نوع ۸۰ ۱۲۰۳ نمبر

اور صاحب البیت ادری بما فیہا ہے تیسرے اس وجہ سے کہ یہ حضرات صحابی تھے۔ چوتھے اس وجہ سے کہ یہ روایتیں متعدد سندوں سے منقول ہیں اور کئی عالموں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور تیسری روایت کے راوی یعنی مجاہد ایک تو علم میں ان حضرات کے مقابل میں کوئی ہستی نہیں رکھتے تھے دوسرے خاندان رسالت سے نہ تھے تیسرے صحابی نہ تھے بلکہ تابعین کے تین طبقوں میں سے دوسرے طبقے میں تھے۔ طبقہ اولیٰ سے ہونے کا بھی شرف حاصل نہ تھا۔ چوتھے اس روایت کو صرف ابن مردویہ نے ایک سند سے ذکر کیا ہے اس لئے یہ تیسری حدیث بمقابل پہلی دونوں حدیثوں کے لائق قبول نہیں ہوسکتی۔ باقی رہی ان دونوں روایتوں میں سے ایک کی ترجیح دوسری روایت پر تو اگرچہ شیعہ روایت پہلی روایت کی مؤید ہے لیکن اس ترجیح کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ترجیح کی محتاج وہ حدیثیں ہوتی ہیں جو آپس میں مخالفت رکھتی ہوں۔ اور یہ دونوں آپس میں مخالفت نہیں رکھتیں اس لئے کہ پہلی حدیث ان آیتوں کی مقدار کو بیان کر رہی ہے جو کل اہلبیت کی مدح میں نازل ہوئی ہیں جس کو ضمیر جمع یعنی فینا ظاہر کر رہی ہے جس کا معنی ہم اہلبیت ہے اور دوسری حدیث ان آیتوں کی مقدار کو بتا رہی ہے جو صرف حضرت علی علیہ السلام کی مدح میں نازل ہوئی ہیں۔ دونوں حدیثوں کے مضمون کا حاصل۔ پہلی دونوں حدیثوں کے مضمون کا حاصل تین امر ہے۔ ایک یہ کہ قران کا ایک چوتھائی اہلبیت حضرت سرور عالم صلوات اللہ علیہ وعلیہم کی تعریف میں نازل ہوا۔ دوسرے یہ کہ اس ایک چوتھائی میں سے تین سو آیتیں خاص حضرت علی علیہ السلام کی تعریف میں نازل ہوئی ہیں اور باقی یعنی کوفیوں کی گنتی کے مطابق ۱۲۵۹ آیتوں۔ اور بصریوں کی گنتی کے مطابق ۱۲۵۴ آیتوں میں سے کچھ آیتیں سوائے حضرت علی

۱؎ سیرۃ النعمان ص ذکر شیوخ ابو حنیفہ ۱۲ منہ ۲؎ تقریب التہذیب ذکر مجاہد ص ۳۴۶ و ص ۳ جس میں طبقات کو ذکر کیا ہے۔ ۱۲ منہ ۵؎ اہل کوفہ قران مجید کی کل آیتوں کی مقدار ۶۲۳۶ بتاتے ہیں اس لئے چوتھائی اس کا ۱۵۵۹ ہوا۔ اور اہل بصرہ کل آیتوں کی مقدار ۶۲۱۶ بتاتے ہیں اس لئے چوتھائی اس کا ۱۵۵۴ ہوا ۱۲ منہ

کے باقی اہلبیت کے ساتھ مخصوص ہیں اور کچھ آیتوں میں کل حضرات شریک ہیں۔ تیسرے یہ کہ کوفیوں کی شمار کے مطابق ۱۵۵۹ آیتیں اور بصریوں کی شمار کے مطابق ۱۵۵۴ آیتیں اہلبیت کے دشمنوں کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں۔

نتیجۂ کلام۔ اب ہم حضرات اہلسنت سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ قرانِ مجید میں تصرف یعنی کمی یا زیادتی کرنے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں یعنی وہ آیتیں جو اہلبیتؑ کی فضیلت اور ان کے دشمنوں کی مذمت میں نازل ہوئی تھیں نکالدی گئیں یا باقی ہیں **اگر نکالدی گئیں** تو پہلا سوال یہ ہے کہ کس قدر نکالی گئیں اور کیوں نکالی گئیں اور کس نے نکالا اور نکالنے والا کس کلام اور کس سلوک کا مستحق ہے آیا مستحق عداوت و مذمت و سزا ہے یا مستحق محبت و تعریف و حسن سلوک۔ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ دشمنانِ اہلبیت کون ایسے لوگ ہیں جن کی مذمت میں دس بیس چالیس پچاس سو دو سو نہیں بلکہ ڈیڑھ ہزار انسٹھ آیتیں نازل کردی گئیں۔ جواب ثبوت اور دلیل کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ آپ کے امام ابن حجر مکی وغیرہ تو لکھتے ہیں کہ معتوب جماعت صحابہ ہی کی تھی۔ عن ابن عباس قال ما انزل اللہ یا ایہا الذین امنوا الا وعلی امیرھا وشریفہا ولقد عاتب اللہ اصحاب محمد فی غیر مکان وما ذکر علیا الا بخیر[1] یعنی ابن عباس نے بیان کیا کہ جس قدر آیتوں میں ایمان والوں کا ذکر ہے علیؑ اون کل ایمان والوں کے سردار اور ان سب کے بزرگ ہیں۔ اور خدا نے اصحاب (بلفظ جمع) پر کئی مقام میں قران کے عتاب کیا ہے لیکن علی کا ذکر ہر جگہ بھلائی ہی کے ساتھ کیا ہے۔

اور اگر آیتیں نہیں نکالی گئیں اور قران بے کم و کاست اوسی قدر نازل ہوا جتنا اسوقت

---

[1] صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۳ صـ۷۶ بروایت ابن عباس۔ وینابیع المودۃ باب ۴۲ صـ۱۲۶ بحوالہ طبرانی وابن ابی حاتم بروایت اصحاب ابن عباس۔ وارجح المطالب باب ۲ صـ۵۵ بحوالہ احمد حنبل وطبرانی وابن ابی حاتم واستیعاب ابن عبد البر وصواعق محرقہ بروایت ابن عباس وکنز العمال جلد ۶ صـ۳۹۱ نمبر حدیث ۵۹۹۰۔ ۱۲ منہ

؏ معلوم نہیں حضرات اہلسنت ان ایمان والوں میں خلفاء ثلٰثہ کو بھی داخل کرتے ہیں یا نہیں اگر نہیں داخل کرتے تو اون کے ایمان کیلئے کون سی آیت کو دلیل تجویز کرتے ہیں اور اگر داخل کرتے ہیں تو امیرہا و شریفہا کا معنی کیا بیان کرتے ہیں ۱۲ منہ

موجود ہے تو ہمارے چند سوالوں کے جواب ثبوت اور مضبوط دلیلوں کے ساتھ ارشاد فرمائیں۔

۱ع وہ ڈیڑھ ہزار انسٹھ یا ڈیڑھ ہزار چون آیتیں فضائل اہلبیت میں کون کون سی ہیں معین کر دیا۔

۲ع منجملہ اُن ڈیڑھ ہزار انسٹھ یا چون کے تین سو خاص حضرت علیؑ کی فضیلت میں کون کون سی ہیں معین فرما دیں۔ ۳ع وہ ڈیڑھ ہزار انسٹھ یا چون آیتیں جو ان حضرات کے دشمنوں کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں کون کون سی ہیں معین کر دیں۔ اگر آپ لوگ اس زحمت کو گوارا کرنا پسند نہ کریں گے تو مجبوراً ہم کو آیاتِ فضیلت اور آیاتِ مذمت اور مذموم اشخاص کو معین کرنا پڑے گا اور آپ ہمارے معین کردہ کو ماننے پر مجبور ہوں گے۔ ہم شیعے خدا کی کتاب سے حقِ اہلبیت اور حقِ دشمنانِ اہلبیت کو بغیر پورا کئے ہوئے قرار نہیں لے سکتے۔ ۴ع عداوت کا معنی اور معیار اور اوس کے دائرہ کی حد دلیل کے ساتھ معین کر دیں اور غور کر کے یہ بتائیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے حقوق پر قبضہ کرنا[۱] اور آپ کی توہین[۲] اور دل آزاریاں[۳] اور قتل کی دھمکی[۴] اور ان کے گلے میں رسّی باندھ کر مسجد تک کھینچ کر لیجانا[۵] اور حضرت سرورِ عالم کی پارۂ جگر کی دل آزاریاں[۶] اور اون کا گھر جلانے کی قسم[۷] کے ساتھ دھمکی۔ اور اون کے[۸] مکان تک آگ لکڑی لیجانا اور معصومہ[۹] کے شکم مبارک پر مارنا جس سے حمل ساقط ہو گیا۔ یہ کل چیزیں عداوت اور دشمنی کی حد اور معیار کے اندر داخل ہیں یا نہیں۔ اگر داخل ہیں تو ایسا کرنے والے جو لوگ بھی ہوں کس چیز کے مستحق ہیں اور اگر داخل نہیں ہے تو داخل نہ ہونے کی کافی وجہیں اور دلیلیں بیان کریں اور اگر معیار اور حد کا بیان اور تعیین ہمارے ذمہ کرتے ہیں تو ہم ان کی خدمتیں اپنی نہیں بلکہ اونھیں کے امام فیومی وغیرہ کی تحریر پیش کرتے ہیں کہ وہ عداوت کے معنی میں لکھتے ہیں۔ عَدَا عَدْ وَاظَلَمَ وَتجَاوَزَ الحد[۱۰] یعنی عداوت کا معنی ظلم کرنا

[۱] مشہور ہے حوالہ کا محتاج نہیں ۱۲ [۲] جیسے اون کو بلانے کیلئے قنفذ غلام کو بھیجنا (امامت و سیاست ابن قتیبہ) [۳] کل واقعات سقیفہ وبیعت دل آزار تھے ۱۲ منہ [۴] امامت و سیاست ابن قتیبہ ذکر واقعہ بیعت ۱۲ منہ [۵] شرح ابن ابی الحدید جزء ۶ وسط ص ۲۹۲ بروایت سعد بن لیث ۱۲ منہ [۶] دیکھو واقعاتِ بیعت شرح ابن ابی الحدید جزء ۶ ص ۲۹۳ سطر ۱۳ میں ۱۲ منہ [۷و۸] عقد الفرید و تاریخ ابو الفدا و تاریخ طبری و امامت و سیاست ابن قتیبہ ۱۲ منہ [۹] ملل ونحل شہرستانی بروایت نظام سنی متعصب اور تفصیل اس واقعہ کی مع توثیق نظام بصری میری مرشد امت نمبر ۲۲ بیان مقامات عداوت کے بعد ذکر قرار داد اہلسنت میں ہے ۱۲ منہ [۱۰] مصباح المنیر فیومی لغت عدا۔ و کلیات علامہ ابو البقا حنفی لغت عدو ۱۲ منہ

اور حد سے گذر جانا ہے۔ یا مظلوم کی حد سے گذر جانا یا اپنی حد سے گذر جانا۔ اگر مظلوم کی حد سے گذر جانا مقصود ہو تو اہلبیت کے مراتب کی حد یہ ہے کہ اون کو سروں اور آنکھوں پر رکھا جائے اون کو اپنا پیشوا اور حاکم مطلق بنایا جائے اون سے علوم و احکام خدا سیکھے جائیں اور تعظیم و عزت و احترام کیا جائے۔ اون کو راضی اور خوشنود رکھا جائے۔ پس ان امور میں کوتاہی کرنا حد سے گذر جانا ہے اور اسی قدر کوتاہی عداوت کے حد اور معیار میں داخل ہے۔ چہ جائیکہ ان کی دل آزاری بھی کیجائے۔ اور جبکہ اون کے حقوق میں کوتاہی اور کمی کرنے والے آیاتِ مذمت میں داخل اور اس کے مصداق ہیں تو اون کی دل آزاری کرنے والے بدرجہ اولیٰ ان آیتوں میں داخل اور ان کے مصداق ہوں گے۔ اور اگر اپنے حد سے گذر جانا مقصود ہو تو بمقابل اہلبیت رسول اللہ کے امت محمدی کی حد غلام بنکے رہنا ہے اور ان کا دوستدار اور خدمت گذار اور ہمیشہ شرمسار رہنا۔ اسلئے اسکے خلاف کرنا حد سے گذر جانے اور آیات مذمت میں داخل ہونے اور اوس کا مصداق کا باعث ہے۔

تیسواں ۳۰ مقدمہ

قرآن مجید تفسیر کا محتاج ہے۔ قرآن مجید میں جو معانی مراد پروردگار ہیں اون کو بغیر تفسیر کے سمجھنا اس وجہ سے غیر ممکن ہے کہ اوس کے کچھ الفاظ سے اون کے حقیقی[۱] معانی مراد لئے گئے ہیں اور کچھ الفاظ سے مجازی[۲] معانی۔ اور کچھ آیتیں محکم[۳] ہیں جن کے ظاہری معانی مراد پروردگار ہیں اور کچھ متشابہ[۴] جن کے ظاہری معانی مراد نہیں ہیں۔ اور کچھ آیتیں مطلق[۵] ہیں جن میں کوئی قید نہیں ہے اور کچھ مقید[۶] جو قید کے ساتھ ہیں۔ اور کچھ آیتوں کے منطوق[۷] یعنی لفظی معانی مراد ہیں۔ اور کچھ کے مفہوم[۸] جو ان سے عقلاً سمجھے جاتے ہیں

---

[۱] مجازات کے سوا کل الفاظ اپنے اصلی معنی میں مستعمل ہیں مثال انکی معین نہیں ہے [۲] جیسے یداللہ میں لفظ ید قدرت کے معنی ہیں مجازاً استعمال ہوا ہے ۱۲ منہ [۳] جیسے الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلہم اجرہم عند ربہم ۱۲ منہ [۴] جیسے الرحمٰن علی العرش استویٰ ۱۲ منہ [۵] جیسے فاشہدوا علیہم وجس میں مرد کی قید ہے نہ عادل کی ۱۲ منہ [۶] جیسے اشہدوا ذوی عدل منکم اور فاستشہدوا شہیدین من رجالکم ۱۲

اور کچھ آیتیں عام[٩] ہیں جو بہت سی فردوں کو شامل ہیں اور کچھ خاص[١٠] جن کا حکم کسی خاص سے تعلق رکھتا ہے اور کچھ آیتیں ناسخ[١١] ہیں جو کسی آیت کے حکم کو اوٹھانے کے لئے نازل ہوئی ہیں اور کچھ منسوخ[١٢] جن کا حکم اوٹھا دیا گیا ہے۔ اور کچھ آیتیں مجمل[١٣] ہیں جن سے مراد پروردگار صاف صاف نہیں معلوم ہوتا۔ اور کچھ مبیّن[١٤] ہیں جن سے مراد صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ اور کچھ آیتیں ایسی ہیں جو صورت میں عام[١٥] ہیں لیکن مقصود اون سے خاص شخص ہے۔ اور کچھ خاص[١٦] ہیں جن سے مقصود عام لوگ ہیں۔ اور کچھ آیتیں ایسی ہیں جن میں خطاب[١٧] کسی شخص سے اور مقصود درحقیقت دوسرا شخص اور ان کے علاوہ آیتوں میں کنایات اور اشارات اور تعریض اور حصر اور اختصاص اور ایجاز اور اطناب اور آیتوں اور سورتوں میں تقدیم او تاخیر اور خبر اور انشاء اور انشاء بصورت خبر اور موہم اختلاف و تناقض اور ایک شخص کی طرف بلفظ تثنیہ و جمع اور دو کی طرف بلفظ مفرد و جمع اور کئی کی طرف بلفظ مفرد و تثنیہ اور اس کے علاوہ بہت سی چیزیں ہیں جو بیان او تفسیر کی محتاج ہیں (فصول المہمہ ص۲۷ باب۳۳ تغیر قلیل) **پس ایسی صورت میں قران ایسے** لوگوں کا محتاج ہے جو مراد پروردگار کو صحیح طور سے بتا سکیں۔ **امت مرحومہ** کو ایسا شخص دینی فائدہ ہرگز نہیں پہونچا سکتا جو تفسیر قران پوچھنے والے جاہل سے کہے کہ ایک معنی بیان کرتا ہوں اگر صحیح ہو تو خدا کی طرف سے سمجھنا ورنہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے[١٨]

---

[٩] جیسے مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ جس کا لفظی معنی یہ ہے کہ بیمار اور مسافر روزہ نہ رکھے اور مفہوم اس کا یہ ہے کہ جو بیمار اور مسافر نہ ہو وہ روزہ نہ چھوڑے ۱۲ منہ۔

[١٠] جیسے قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۱۲ منہ [١١] جیسے يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ

[١٢] جیسے اَلزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً ناسخ اوس کی وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ ہے ۱۲۔

[١٣] جیسے أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ [١٤] جیسے مِنَ الْفَجْرِ جو خیط الابیض کا بیان ہے۔ [١٥] أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ اس میں ناس سے مقصود حضرت علی ہیں ۱۲

[١٦] يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ اس میں خطاب حضرت رسول ص کی طرف ہے اور مخاطب کل مسلمان ہیں ۱۲۔ [١٧] لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ اس میں خطاب حضرت کی طرف ہے اور مخاطب درحقیقت آپ کی اُمّت کے لوگ ہیں ۱۲ منہ [١٨] تاریخ الخلفاء، فصل فيما روي عن الصديق من تفسير القران ص۶۱ چھاپہ مطبع مجیدی کانپور

تفسیر کی صحت اور غلطی کو جاہل سائل کی تشخیص پر چھوڑے اور پھر بھی صحیح معنی بیان نہ کرسکے۔
تنبیہ۔ جس طرح قران مجید کے مطالب سمجھنے کے لئے کسی بیان کرنے والے کی ضرورت ہے اور ہر عربی دان اوس کی تفسیر نہیں سمجھ سکتا اوسی طرح حدیثوں کے مطالب سمجھنے کیلئے بھی کسی بیان کرنے والی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جس طرح قران مجید محکم ومتشابہ وغیرہ اقسام مذکورہ پر مشتمل ہے اوسی طرح حدیثیں بھی ان کل اقسام پر مشتمل ہیں اور ہر قسم کیلئے کچھ قواعد ہیں جو اصول فقہ میں سے بیان کئے گئے ہیں۔ جب تک ان قواعد کو اپنی اجتہادی رائے کے مطابق نہ برتے حکم صحیح معلوم نہیں ہوسکتا اور نہ واقعی مراد خدا و اولیائے خدا کا پتہ ملسکتا ہے

۲۱ اکیسواں مقدمہ

مفسر کو معصوم ہونا چاہئیے۔ اسلام نام ہے کچھ احکام کے مجموعہ کا جن کا جامع قران مقدس ہے اور احادیث معصومین علیہم السلام اور کل مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ ایک تو اپنے عقائد کی اصلاح اور عمل کی تصحیح اور دنیا کی بھلائی اور آخرت کی درستی کی غرض سے اور دوسرے اسلام کی ترویج کے لئے ان دونوں یعنی قران وحدیث کا علم حاصل کریں۔ اگرچہ اشاعت اسلام اور کثرت مسلمین کے زمانہ سے یہ حکم عام مسلمانوں کیلئے بغرض رفع عسر وحرج واجب کفائی اور متمکن لوگوں کے لئے واجب عینی قرار پایا۔ لیکن صدر اول میں جبکہ مسلمان کم تھے اور اجتہادی فتاوی کی جگہہ پر بھی علم قران وحدیث ہر شخص کے لئے واجب العمل تھا اون کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب عینی تھا۔ مگر مسلمانوں میں سے اسلام پرستوں اور دردِ دین رکھنے والوں نے اس کی طرف توجہ کی اور بقدر امکان اسے حاصل کیا۔ اور کچھ لوگوں نے اس فریضہ کی تحصیل کو لازم نہ سمجھا جس کا پتہ ابی ابن کعب کے کلام سے ملتا ہے۔ چنانچہ جب سورۂ فتح کی قرأت[ع] میں درمیان زید بن ثابت اور ابی ابن کعب کے اختلاف ہوا اور خلیفۂ دوم نے زید کی تائید کی تو ابی نے برہم ہوکر خلیفہ صاحب سے کہا کہ تم کو معلوم ہے

ع۔ اختلاف قرائت سے مقصود اختلاف تلاوت ہے جیسے وَالَّذِیْنَ اور اَلَّذِیْنَ میں واو کی زیادتی اور کمی۔ اور صراط وسراط میں ص وس کا فرق ہے ۱۲ منہ

کہ میں حضرت رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور حضرت مجھکو پڑھایا کرتے تھے اور تم ڈیوڑھی پر بیٹھے رہا کرتے تھے اور کبھی غائب رہتے تھے[۱] انتہی بقدر حاجت۔ پھر دوسری دفعہ اختلاف کے موقع پر ابی نے خلیفہ صاحب سے کہا کہ ہم کو حضرت رسول اللہؐ پڑھایا کرتے تھے اور تم بقیع کی پتیاں بیچا کرتے تھے[۲] انتہی بقدر حاجت۔ اور تیسری دفعہ کہا کہ میں نے حضرت سرورِ عالم کی زبان مبارک سے یوں ہی سنا ہے کہ خدا نے حضرت پر یوں ہی نازل کیا ہے اور نازل کرتے وقت خدا نے نہ تمہارے باپ سے مشورہ لیا تھا نہ تم سے[۳] بہرحال حاصل کرنے والوں نے بقدر اپنی توجہ اور ہمت کے حاصل کر لیا لیکن جو جامعیت اور کمال اہلبیت طاہرین کو حاصل ہوا وہ کسی کو نصیب نہ ہوا[۴] اور وجہ اس کی ایک تو یہ تھی کہ اسلام کی جو وقعت و عزت ان کی نگاہوں میں اور اس سے محبت اور ہمدردی ان کے دلوں میں تھی اوس سے دوسرے محروم تھے اور شاہد بین اس پر ان کے دینی خدمات ہیں۔ جیسے اسلامی لڑائیوں میں ثابت قدمی اور حدیثوں کی کثرت ترویج وغیرہ۔ آیت نجویٰ کو خداوند حکیم نے علم دین سے محبت اور خود دین سے ہمدردی کا بہت اچھا معیار اور بہت بڑا امتحان قرار دیا اور اس نے سچے محب اور کھرے ہمدرد کو جھوٹے محب اور کھوٹے ہمدرد سے پہچنوا دیا۔ باوجودیکہ صدقے کی مقدار بہت کم رکھی گئی تھی لیکن صحابہ میں سے کسی نے ایک درہم یعنی ساڑھے تین آنہ پیسہ بھی دینا گوارا نہ کیا اور اس قلیل مقدار کے خرچ سے ڈر گئے۔ جیسا کہ خود خداوند عالم نے انکے خوف کو کھول کر بیان کر دیا ہے ارشاد فرماتا ہے ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ یعنی کیا تم پوچھنے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے۔ حالانکہ علم دین کی تحصیل کے عینی وجوب نے نجویٰ اور سوال کو واجب کیا تھا اور حکم صدقہ بصیغہ امر قَدِّمُوْا بقرینہ ذکر قبولیت توبہ جو اس آیت کے بعد ہے صدقہ دینے کو واجب کر چکا تھا کیونکہ توبہ گناہ ہی سے

[۱] کنز العمال جلد ا ذکر قرأت ص ۲۸۵ نمبر حدیث ۴۸۲۳ و ۴۸۲۴ و قرۃ العینین ص ۵۳ ۱۲ منہ

[۲] کنز العمال بہ نشانِ بالا نمبر حدیث ۴۸۳۱ - ۱۲ منہ [۳] کنز العمال جلد ا ذکر قرائت ص ۲۸۷ نمبر حدیث ۴۸۶۶ و قرۃ العینین ص ۵۳ بیان فضیلت عمر ۱۲ منہ [۴] ان حضرات کے جامعیت علوم اور کمالات کا تفصیلی بیان اکیسویں مقدمہ میں گذر چکا ہے وہاں دیکھنا چاہیے ۱۲ منہ [۵] اس آیت سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صدقہ دے سکتے تھے لیکن مال دنیا کو تحصیل علم قرآن و حدیث پر ترجیح دی

ہوا کرتا ہے۔ دوسرے حضرت سرورِ عالم صلوات اللہ علیہ وآلہ کی ان کی تعلیم کی طرف کامل توجہ کیونکہ خدا ان کو پیشوائے امت قرار دینے والا تھا اور پیشوا کیلئے کامل و اکمل ہونا ضروری ہے علاوہ اس کے کہ خود شاگرد کی قابلیت اور محنت اور توجہ بھی اُستاد کو توجہ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی قابلیت و توجہ و شوقِ علم

توجہ رسول اللہؐ حضرت سرورِ عالم کی کامل توجہ کو خود حضرت ہی کی فرمائش بتا رہی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ معراج میں جب میں بارگاہِ پروردگار میں پہونچا تو خدا نے مجھ سے کلام کیا اور مجھے اسرار تعلیم کئے بس جو کچھ اوس نے مجھے تعلیم کیا تھا میں نے سب علیؑ کو تعلیم کر دیا۔ پس وہ میرے علم کے دروازہ ہیں[۱]۔ اور حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرورِ عالم نے مجھے ہزار باب علم کے تعلیم کئے اور مجھ پر ہر باب سے ہزار باب کھل گئے[۲]۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کبھی میری عدم موجودگی میں حضرت سرورِ عالم پر کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو حضرت میرے لئے اوس کو محفوظ رکھتے تھے جب میں آتا تھا تو مجھے پڑھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہارے جانے کے بعد فلاں فلاں آیت نازل ہوئی ہے اور اس کی تفسیر اور شانِ نزول مجھے تعلیم کرتے تھے[۳]۔ پھر حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ اصحاب رسول اللہؐ میں آپ سب سے زیادہ حدیثیں بیان فرماتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں حضرت سے پوچھتا تھا تو جواب میں حدیثیں بیان فرمایا کرتے تھے اور اگر میں چپ رہتا تھا تو حضرت بغیر پوچھے خود ارشاد فرمایا کرتے تھے[۴]۔ رہی قابلیت و توجہ تو حضرت امیرالمومنینؑ کی قابلیت کے متعلق خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ یعنی یاد رکھیں گے ان احکام کو یاد رکھنے والے کان۔ اکثر مفسرین لکھتے ہیں کہ اذن واعیۃ علی علیہ السلام ہیں[۵]۔ اور حضرت سرورِ عالم صلوات اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے

---

[۱] ینابیع المودہ باب ۱۴ صفحہ ۷ بحوالہ ابن مغازلی و صفحہ ۵۵ بحوالہ علامہ خوارزمی بروایت ابن عباس ۱۲ منہ
[۲] ینابیع المودہ باب ۱۴ صفحہ ۷۶ بحوالہ ابن مغازلی و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۲ ۱۲ منہ [۳] ینابیع باب ۱۴ صفحہ بحوالہ مناقب ۱۲ منہ [۴] صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۲ صفحہ ۷۳ بحوالہ ابن سعد و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۶ ۱۲ منہ [۵] ینابیع المودہ باب ۳۹ صفحہ ۹۵ بحوالہ شرح مواقف ۱۲ منہ

ہیں کہ میں نے اپنے پروردگار سے خواہش کی اُذُنٌ واعیۃ علی کے کان کو قرار دے۔[۱]
جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت سرورِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ اذنِ واعیہ تمھارے کان ہیں۔[۲] حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا کہ اذن واعیہ میرے کان ہیں۔[۳] پھر فرمایا کہ حضرت سرور عالم نے ارشاد فرمایا کہ اے علی خدا کا حکم ہے کہ میں تم کو نزدیک رکھوں اور تعلیم کروں تاکہ تم یاد رکھو اور آیت تعیہا اذن واعیہ نازل ہوئی ہے پس تم میرے علم کیلئے اذن واعیہ ہو۔[۴]
پھر فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اللہؐ سے جو کچھ بھی سُنا اوس کو یاد رکھا اور اوس کو حفظ کیا اور نہیں بھولا۔[۵] پھر فرمایا کہ حضرت سرورِ عالمؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ میں نے خدا سے خواہش کی کہ اذن واعیہ تمھارے کانوں کو قرار دے پس کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کو رسول اللہؐ سے سنکر میں بھولا ہوں۔[۶] پھر فرمایا کہ اگر میرے لئے فرشِ قضاوت بچھا دیا جائے اور میں اوس پر بیٹھوں تو ہر آئینہ حکم کروں گا درمیان اہلِ توریت کے اون کے توریت سے اور درمیان اہل انجیل کے اون کے انجیل سے اور درمیان اہل قران کے اون کے قران سے۔ قسم خدا کی جس قدر آیتیں نازل ہوئی ہیں خواہ خشکی میں نازل ہوئی ہوں یا زمین پر یا پہاڑ پر۔ دن کو نازل ہوئی ہوں یا رات کو میں سب کو جانتا ہوں کہ کس شخص کے متعلق نازل ہوئیں اور کس چیز کے بارے میں۔[۷]
پھر فرماتے ہیں کہ میں خوب جانتا ہوں قران کی ناسخ آیتوں کو اور اوس کی منسوخ آیتوں کو اور محکم کو اور متشابہ کو۔ اور جس قدر بھی آیتیں نازل ہوئیں میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کس شخص کے حق میں نازل ہوئیں اور کس دن نازل ہوئیں اور کس جگہ نازل ہوئیں۔ کیا تم لوگ تلاوت نہیں کرتے آیت اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰی کی۔ قسم خدا کی یہ صحیفے میرے پاس ہیں جو مجھ تک میرے حبیب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام سے بوراثت پہونچے ہیں قسم خدا کی میں ہی وہ شخص ہوں جس کے حق میں خدا نے تعیہا اذن واعیہ نازل فرمایا ہے۔ میں حضرت رسول اللہ کی خدمت میں رہا کرتا تھا اور وہ مجھ سے وحی بیان فرمایا کرتے تھے پس میں اوس کو یاد رکھتا تھا اور

ص ۹۵ و ۴۷

[۱] ینابیع بہ نشانِ بالا بحوالہ موفق ابن احمد بروایت ابن عباس ۱۲ منہ [۲] ینابیع بہ نشانِ بالا بحوالہ مناقب ۱۲ منہ
[۳] ینابیع بہ نشانِ بالا بحوالہ مناقب ۱۲ منہ [۴] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۰۸ نمبر حدیث ۶۱۲۰-۱۲ منہ [۵] ینابیع بہ نشان گذشتہ بحوالہ موفق بن احمد خوارزمی بروایت ابن عباس ۱۲ منہ [۶] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۰۵-۱۲ منہ [۷] ینابیع بہ نشان

دوسرے اس سے محروم رہا کرتے تھے۔ پس جب میں باہر نکلتا تھا تو صحابہ مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ رسول اللہؐ نے ابھی کیا فرمایا۔[۱]

واضح ہو کہ تفسیر برہان میں آقا سید ہاشم بحرینی علیہ الرحمہ نے اس آیت کی تفسیر میں بطریق شیعہ گیارہ حدیثیں اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ اذن واعیہ حضرت علیؑ کے کان ہیں۔ ان گیارہ میں یہ کل مذکورہ حدیثیں داخل ہیں جو بطریق اہلسنت ذکر کی گئیں۔

اور آپ کی کامل توجہ اور شوق تحصیل علم قرآن و حدیث کو آیت نجویٰ ثابت کر رہی ہے جس کا مختصر ذکر ابھی گذرا۔ اس آیت پر سوا آپ کے کسی نے عمل نہیں کیا اور یہ شرف آپ ہی کی ذات والا صفات سے مخصوص رہا۔ آپ کے پاس ایک دینار تھا جس سے دس درہم خرید کئے اور حضرت سرور عالمؐ سے دس مسئلے پوچھے اور ہر مرتبہ ایک درہم صدقہ دیا اس کے بعد یہ آیت منسوخ ہوگئی اس لئے آپ کے بعد کبھی یہ شرف کسی کے لئے حاصل نہ ہوا۔[۲]

اور قابلیت و توجہ دونوں کو حضرت امیرؑ کی یہ فرمائش ظاہر کر رہی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ قسم خدا کی جسقدر آیتیں نازل ہوئیں میں سب کو جانتا ہوں کہ کس کے حق میں نازل ہوئیں اور کہاں نازل ہوئیں اور کس پر نازل ہوئیں کیونکہ مجھے میرے پروردگار نے سمجھنے والا دل اور بولنے والی اور پوچھنے والی زبان عطا کی ہے۔[۳]

رہے باقی اہلبیت طاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام تو اگرچہ ان کی قابلیت اور توجہ اور جامعیت فضل و کمال کے سمجھنے کے لئے وہ بیان کافی ہے جو قبل اس کے ان کے فضائل و مکارم کے ذکر میں گذر چکا۔ لیکن مزید توضیح اور غایت تشفی کے لئے ایک مختصر تقریر بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ صاحب صواعق محرقہ آیت تطہیر کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت اہلبیت حضرت سرور عالم صلوات اللہ علیہ وآلہ کے فضائل کا سرچشمہ ہے کیونکہ یہ آیت

---

[۱] ینابیع المودۃ باب ۲۹ صفحہ ۹۹ بحوالہ مناقب بروایت اصبغ بن نباتہ۔

[۲] ینابیع المودہ باب ۲۷ صفحہ ۸۲ بحوالہ جمع بین الصحاح الستہ مصنفہ عبدری و ابن مغازلی وموفق بن احمد و مناقب و کلبی ۱۲ منہ

[۳] صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۳ صفحہ ۷۶ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۶ ۔ نمبر حدیث ۶۰۴۱ ۔ ۱۲ منہ

اعلیٰ درجہ کے فضائل پر مشتمل ہے اور ان کی شان کی طرف خدا کی پوری توجہ کو بتاتی ہے کیونکہ خدا نے اس کو لفظ اِنَّمَا سے شروع کیا ہے جو اس امر کو ظاہر کر رہا ہے کہ خدا نے اپنے ارادہ کو اس امر پر منحصر کر دیا ہے کہ رجس یعنی گناہوں کو اور جن چیزوں پر ایمان لانا چاہیئے ان میں شک کو ان سے دور رکھے اور کل بُرے اخلاق اور بُری حالتوں سے ان کو پاک رکھے۔ اور بنا بر بعض روایتوں کے ان پر آتشِ جہنم کو حرام کر دیا ہے اور یہ فائدہ اسی تطہیر کا ہے۔ کیونکہ اسی تطہیر سے توبہ اور اعمالِ صالحہ کی مداومت کا الہام ہوتا ہے [1]

یہ بیان قابلیت اور توجہ اہلبیت علیہم السلام کو چند طرح سے ثابت کر رہا ہے۔

ایک یہ کہ خدا نے ان کو جامع مکارم و فضائل بنانے کی طرف پوری توجہ کی اور عدم قابلیت اور عدم توجہ جمیع کمالات سے مانع ہے اس لئے بفرض عدم قابلیت و عدم توجہ انکو قابل بنا دیا اور متوجہ کر دیا۔

دوسرے یہ کہ خدا نے ان کو بُرے اخلاق اور بُرے احوال سے پاک کر دیا۔ اور عدم قابلیت بُری حالت ہے اور عدم توجہ بُرا خلق۔ کیونکہ خداوند عالم نے علم قرآن و حدیث یا یوں کہو کہ علمِ دین کی بقدر ضرورت تحصیل کو عام مسلمانوں پر واجب کیا۔ اور ہر عالم اور پیشوائے دین پر تحصیل اور تعلیم دونوں کو۔ چنانچہ حضرت سرور عالمؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ [2] یعنی علم کی تحصیل ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اور تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ مِنْ حَمَلَةِ الْعِلْمِ وَعَلِّمُوْهُ إِخْوَانَكُمْ كَمَا عَلَّمَكُمُوْهُ الْعُلَمَاءُ [3]۔ یعنی اہلِ علم سے علم حاصل کرو اور اپنے بھائیوں کو تعلیم کرو جس طرح تم کو علماء نے تعلیم کیا ہے۔ اور تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَاِنَّهٗ مَقْبُوْضٌ [4] یعنی تم پر واجب ہے کہ علمِ قرآن اور علمِ میراث حاصل کرو اور لوگوں کو تعلیم کرو کیونکہ نہ سیکھنے اور نہ سکھانے کی صورت میں یہ علم جاتا رہیگا۔ اور واجب

---

[1] صواعق محرقہ باب ۱۱ فصل ۱ صفحہ ۸۶ بیان آیت تطہیر ۱۲ منہ

[2] فصول المہمہ حر عاملی علیہ الرحمہ باب ۱ صفحہ ۵۹ ۱۲ منہ

[3] فصول المہمہ باب ۳ صفحہ ۵۹ ۱۲ منہ [4] تیسیر الوصول جامع احادیث صحاح ستہ اہلسنت حرف عین کتاب العلم فصل ۲ صفحہ ۹۳؟ جلد ۲ - ۱۲ منہ

کو چھوڑنا ناجائز اور حرام۔ اور بد خلقی یعنی بد طینتی اور بے مروتی اور بے دینی ہے جو انحضرات سے دفع کی جاچکی۔

تیسرے یہ کہ واجب کو چھوڑنا اور اوس کی طرف سے بے توجہی کرنا حرام اور گناہ ہے اور گناہ انحضرات سے دفع کیا جاچکا۔

چوتھے یہ کہ بقول صاحب صواعق کے انحضرات کی تطہیر مداومت اعمالِ صالحہ کے الہام کا باعث ہے اسلئے یہ حضرات ملہم ہیں اور اعمالِ نیک کو کسیوقت نہیں چھوڑ سکتے اور جب عام اعمالِ نیک کو نہیں چھوڑ سکتے تو علم قران و حدیث جس میں اصول دین اور فروعِ دین سب کا علم داخل ہے اور اوس کی تعلیم و تعلّم کا وجوب واجبات اسلام میں سب پر مقدم ہے اوس کی تحصیل و تعلیم کو بدرجہ اولی نہیں چھوڑ سکتے اور اسی کا نام۔ قابلیت اور توجہ ہے۔

اور حضرت سرورِ عالم ﷺ نے انحضرات کی قابلیت اور توجہ اور جامعیت فضائل وکمالات کو چند لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص پسند کرتا ہو کہ اوس کی حیات اور موت مثل میری حیات اور موت کے ہو اور جنت عدن میں رہے جسکو میرے پروردگار نے لگایا ہے تو چاہیئے کہ علیؑ کو اور اون کے دوستوں کو دوست رکھے اور میرے بعد میرے اہلبیت کی پیروی کرے کیونکہ وہ میری عترت ہیں اور میری طینت سے پیدا کئے گئے ہیں اور مثل میرے فہم اور علم کے اون کو بھی فہم اور علم عطا ہوا ہے پس جہنم ہے میری امت میں سے اون لوگوں کے لئے جو اون کی فضیلت کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ لوگ میرے حقوق کو اون کے بارے میں قطع کرنے والے ہیں خدا اونکو میری شفاعت نصیب نہ کرے[۱]۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ چاہیئے کہ دوست رکھے

ف خلق کے معنی طبیعت اور طینت اور مروت اور دین کے ہیں ۱۲ منہ سلمہ یہ قید اس لئے بڑھادی ہے کہ ہم شیعوں کے نزدیک اعمالِ نیک کی مداومت آیت تطہیر پر موقوف نہیں ہے کیونکہ ہمارے فرقہ میں اکثر غیر معصوم ایسے گذرے ہیں جو کبھی مکروہ فعل کے بھی مرتکب نہ ہوئے اور مستحب کو نہ چھوڑا بلکہ مباحات کو بھی مستحب کی حد میں لاکر ادا کیا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ تطہیر کا فائدہ ہم لوگوں کے نزدیک مداومت اعمال صالحہ سے بہت رفیع اور بلند ہے جو بیان آیت تطہیر میں ذکر کیا گیا ۱۲ منہ [۱] کنز العمال جلد ۶ صـ ۲۱۷ بنمبر حدیث ۲۸۱۹ بحوالہ طب ورافعی

علیؑ کو اور ان کی ذریت طاہرین کو جو میرے بعد ائمہ ہدایت اور شب تاریک کے چراغ ہیں۔ وہ لوگ تم کو باب ہدایت سے نکال کر گمراہی میں نہ ڈالیں گے۔ ۱؎ اور ظاہر ہے کہ جو انوار مقدسہ مثل حضرت سرور عالم کے علم اور فہم رکھتے ہوں اور حضرت کی طینت سے پیدا کیئے گئے ہوں وہ ہر حیثیت سے اکمل افراد بنی آدم وافضل مخلوقاتِ خلاقِ عالم ہوں گے۔ کیونکہ ادھر سے قابلیت اور توجہ وشوق تحصیل علمِ دین ومعارف الٰہیہ اور خداوند فیاض کی طرف سے فیضان اور کامل توجہ دونوں کے جمع ہو جانے کے بعد وہی مرتبہ حاصل ہوتا ہے جسکی ثنا خوانی خود خدا و رسولِ خدا نے کی ہے۔ جن کا مفصل ذکر بائیسویں مقدمہ میں گذر چکا۔

الغرض ہمدردانِ دین ومذہب نے ہمت وتوجہ کی اور بقدر اپنی کوشش اور قابلیت اور فہم واستعداد کے حاصل کیا لیکن چونکہ لوازم فطرت انسانی یعنی بھول چوک اور سوءِ فہم اور لازمہ خواہش نفسانی یعنی عمدی غلط گوئی سے سوائے معصوم کے کوئی دوسرا شخص بھی ابداً پاک نہیں ہے۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ جن لوگوں نے قرآن وحدیث کو حضرت سرور عالم صلوات علیہ وآلہ سے سنا اور لیا اوس میں سے کچھ کو بھولے ہوں اور کچھ کو سوءِ فہم کی وجہ سے غلط سمجھا ہو اور کچھ میں اپنی نفسانی غرضوں سے تصرف کیا ہو۔

دیکھو زید بن ثابت اور ابی بن کعب اور خلیفۂ دوم سب ہی حضرت رسول صؐ سے سیکھنے کے دعویدار تھے اور پھر بھی آپس میں ایسا اختلاف تھا کہ ابن ابی کعب کو اپنے مخالفین پر غصہ آگیا اور خلیفۂ دوم کو سخت وسست کہہ بیٹھے (دیکھو شروع بیان اسی مقدمہ میں) اسی طرح شجرۂ ملعونہ کی تفسیر بنو امیہ سے کی گئی ہے بلکہ ابن شحنہ نے لکھا ہے کہ مفسروں کا اس تفسیر پر اتفاق ہے ۲؎ لیکن عکرمہ نے ابن عباس کی طرف نسبت دیکر بیان کیا ہے کہ شجرۂ ملعونہ سے

۱؎ ینابیع المودہ باب ۴۳ ص ۱۰ بحوالہ مناقب خوارزمی بروایت حضرت امام حسین علیہ السلام ۱۲ منہ

۲؎ در منثور سیوطی جلد ۴ ص ۱۹۱ چھاپہ مصر۔ تفسیر بیضاوی در تفسیر سورۂ بنی اسرائیل و منتخب کنز العمال کتاب فضائل ذکر بنو امیہ۔ و روضۃ المناظر ابن شحنہ بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۱۱ ص ۱۸۵۔ ۱۲ منہ

بقھوذ زقوم یعنی سیج کا درخت ہے ؎۱

نتیجہ کلام جب یہ معلوم ہو چکا کہ قرآن اہلبیت رسول ص کے گھر میں نازل ہوا اور اسی گھر سے علم قرآن و حدیث نے دنیا میں رواج پایا اور ان علوم کے اہل یہی انوار مقدس تھے اور خدا اور رسول ص نے علوم اولین و آخرین کے ساتھ انھیں کو مخصوص اور سرفراز کیا تھا اور بھول چوک اور غلطی اضطراری اور غلط گوئی اختیاری سے ان کی عصمت نے ان کو محفوظ کر رکھا تھا۔ اور دوسرے لوگ کسی بات میں ان کے پاسنگے میں بھی نہ تھے۔ تو تفسیر قرآن مقدس اور حدیث کے لینے اور قبول کرنے میں دو چیزیں ضروری ٹھہریں۔ ایک یہ کہ اس تفسیر اور حدیث کا چودہ معصومین علیہم السلام میں سے کسی ایک بزرگ کی طرف منسوب ہونا اس لئے کہ مراد خدا کو خود خدا سے لینا چاہیئے اور خدا نے رسول اللہ ص سے بیان کیا اور رسول اللہ ص نے اپنے اہلبیت یعنی ائمہ اثنا عشر اور دختر نیک اختر سے۔

دوسرے راویوں کی وثاقت یعنی اون کا معتبر ہونا تاکہ اس پر اطمینان ہو سکے کہ یہ تفسیر یا حدیث معصوم ہی کی فرمائی ہوئی ہے **پس** جو تفسیر یا حدیث معصوم کی طرف منسوب نہ ہو یا راوی اوس کے معتبر نہ ہوں وہ پایۂ اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جائیگی **غیر معصوم** سے تفسیر پوچھنے کا یہی حشر ہوتا ہے کہ سائل کا تحیر اور اوس کی جہالت باقی رہجاتی ہے اور رسول عنہ کی رائے شیطان کی رائے کے ہم پلہ قرار دیجاتی ہے چنانچہ شعبی بیان کرتے ہیں کہ ابو بکر سے کلالہ ؎۲ کی تفسیر پوچھی گئی تو اونھوں نے جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صحیح ہو تو سمجھنا کہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہو تو سمجھنا کہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور خدا اس سے بری ہے میں جانتا ہوں کہ کلالہ باپ اور بیٹے کے علاوہ کوئی چیز ہے ؎۳۔ اور خلیفہ دوم نے بیان کیا کہ اگر کلالہ کی تفسیر کا مجھے علم ہوتا تو میرے لئے بہتر ہوتا اس سے کہ شام کے قصروں کا مثل میری ملکیت میں ہو جائے ؎۴ اور ایک مرتبہ کہا کہ مجھے شرم معلوم ہوتی ہے کہ ابو بکر کی مخالفت کروں کلالہ باپ اور بیٹے کے علاوہ کوئی چیز ہے ؎۵

؎۱ بخاری جلد ۳ کتاب التفسیر بیان تفسیر سورۂ بنی اسرائیل ۱۲ منہ ۔ ؎۲ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۰ کتاب التفسیر الفضل بیان کلالہ نمبر حدیث ۲۳۲۰۔ ۱۲ منہ ؎۳ کنز العمال بہ نشان بالا نمبر حدیث ۳۳۱-۱۲ ؎۴ کنز العمال بہ نشان بالا نمبر حدیث ۲۳۲۰-۱۲

دونوں صاحبوں نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے سائل کو تحیر میں ڈالدیا اور درست معنی نہ بتا سکے اور صحت اور غلطی کی تشخیص کو اوسی جاہل سائل پر چھوڑا۔ باوجودیکہ حضرت سرورِ عالم صلوات اللہ علیہ وآلہ نے بصیغۂ امر جو وجوب کو بتاتا ہے ارشاد فرمایا ہے کہ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَالْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ[له] یعنی تمپر واجب ہے کہ علم قران اور علم میراث سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ۔

لیکن شیخین نے جو اہلسنت کے نزدیک بترتیب خلافت اول و دوم درجہ میں صاحب فضیلت سمجھے جاتے اور حضرت سرورِ عالم کے محبوب ترین صحابہ شمار کئے جاتے اور پیشوائے دین مانے جاتے ہیں ان دونوں علموں کی طرف بالکل توجہ نہ کی۔ علاوہ تفسیر کلالہ کے اکثر احکامِ قران اور حدیث سے یہ لوگ بیخبر تھے منجملہ اون احکام کے معنی ربا (سود) اور پھوپھو اور خالہ کی میراث اور دادی کی میراث ہے۔ خلیفۂ دوم کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ[ص] تین چیزوں کو مجھ سے فرمائے ہوتے تو یہ بیان دنیا اور نعمات دنیا سے میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا۔ ایک[ت] خلافت۔ دوسرے[ث] کلالہ کی تفسیر تیسرے[ت] ربا (سود) کی تفسیر[ص۲] اور خلیفۂ اول نے بیان کیا کہ میں دوست رکھتا ہوں اس امر کو کہ پھوپھو اور خالہ کی میراث حضرت سرورِ عالم سے پوچھ لیا ہوتا[ت]۔ اور دادی کی میراث نہیں جانتے تھے تو مغیرہ بن شعبہ سے پوچھ کر اور محمد بن مسلمہ سے اوس پر گواہی لیکر چھٹا حصہ اوس کو دیا[۴]۔

تنبیہیں۔ **پہلی تنبیہہ**۔ چونکہ ائمہ معصومین علیہم السلام کے علوم وہبی اور الہامی[ص۵] بھی ہوتے تھے اس لئے ان حضرات کا تفسیر یا حدیث کو حضرت سرورِ عالم صلوات اللہ علیہ وآلہ کی طرف منسوب کرکے بیان کرنا ضروری نہیں ہے بخلاف دوسروں کے کہ اون کا علم چونکہ وہبی نہیں ہوتا اس لئے

ص۱ کیونکہ ماخلا الوالد والولد اور ماعدا الوالد والولد جو دونوں خلیفہ کے بیان میں ہے وہ کل اہل قرابت بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کو شامل ہے اس لئے ایسا جواب رفع جہالت نہیں کرسکتا اور درست جواب نہیں کہا جاسکتا۔

له تیسیر الوصول جامع احادیث صحاح ستہ حرف عین کتاب العلم فصل ۲ ص ۹۲ جلد ۲-۱۲ ص۲ خلیفۂ دوم کے بیٹے اور مشہور محدث یعنی عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ) عمر بن خطاب نے حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام سے دو دفعہ کہا کہ اے علی حضرت رسول اللہ کیخدمت میں آپ زیادہ تر حاضر رہا کرتے تھے اور ہم لوگ غائب رہا کرتے تھے پھر تین مسئلے پوچھے اور کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ جن جن مسئلوں کا حکم مرنے سے پہلے پالیا مجھکو ان کے حکم کی تلاش تھی (کنز العمال جلد ۷ کتاب فضائل ص ۶ ۴۰ نمبر حدیث ۴۷۶۱)

ص۵ استحقاق خلافت میں تمسک کئے ہوتا ایک معصوم دعویدار کے قطعی دعوا کو (بقیہ حاشیہ ۲۱۵)

جہاں اون کی ذاتی رائے تفسیر و حدیث میں معتبر نہیں ہے اور کسی معصوم کے کلام کو سنکر یا فعل کو دیکھ کر ان کے نام کی تصریح کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔[للعہ] اوسی طرح ان راویوں کا خود پاک ہونا اور معتبر ہونا بھی ضرور ہے۔

تنبیہہ دوم تفسیروں، اور حدیثوں کو قبول کرلینے کے لئے صرف سند کی صحت اور راویوں کا اعتبار اور قبول، نہ کرنے کیلئے صرف سند کی کمزوری اور راویوں کی بے اعتباری ہی کافی نہیں ہے بلکہ اوس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ علماء نے ان تفسیروں اور حدیثوں کو قبول کیا ہے اور ان پر عمل کیا ہے یا نہیں کیونکہ حدیثیں تفسیری ہوں یا غیر تفسیری ایسی بھی ہیں جنکو باوجود صحت سند کے علماء نے چھوڑ دیا ہے اور باوجود کمزوری سند کے ان پر عمل کیا ہے۔ کیونکہ وہ معصوم کے ہمعصر یا قریب زمانہ میں ہونے کی وجہ سے ایک تو معصوم کے مذاق اور مسائل کو جانتے تھے دوسرے قرینے ایسے موجود تھے جن کی وجہ سے وہ جانتے تھے کہ معصوم نے کس حدیث میں حکم واقعی کو بیان کیا ہے اور کس میں حکم تقیئی کو۔ اور کس حدیث کو راوی نے

نہ ماننا بلکہ بیعت خلیفہ اول کیلئے اوس پر جبر کرنا اور قتل کی دھمکی دینا (امامت و سیاست ابن قتیبہ) اہل انصاف کے نزدیک کیا کہا جاسکتا ہے۔ منصف مزاج خود ہی فیصلہ کرلیں ۱۲ منہ

۱ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲ نمبر حدیث ۳۱۶ - ذکر کلالہ ۱۲ منہ ۲ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۸ نمبر حدیث ۲۸۰ بیان من لا میراث لہ ۱۲ ۳ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱ نمبر حدیث ۱۷۶ - ۱۲ منہ ۴ فصول المہمہ صفحہ ۴۷ و ۴۸ و صواعق محرقہ باب الفصل ا تنبیہ متعلق آیت ہم صفحہ ۹ چھاپہ مصر و ینابیع المودۃ باب ۱۴ صفحہ ۵۸ بحوالہ شرح کبریت احمر و ینابیع المودۃ باب ۵۳ صفحہ ۱۲۸ بحوالہ رسالہ جاحظ ۱۲ منہ للعہ بجز اس راوی کے جو کسی معصوم کا مقرب و معتبر صحابی ہوا اور جرح و قدح سے پاک ہو جیسے سلمان فارسی و زرارہ وغیرہ ۱۲ منہ

ص خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا یعنی اگر فاسق (غیر معتبر شخص) تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اسکی تحقیق کرو چونکہ غیر معتبر شخص کی ہر خبر جھوٹی نہیں ہوتی اسواسطے اس کی ہر خبر کو بے اعتبار سمجھنے اور چھوڑ دینے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ تحقیق کرنیکا حکم دیا ہے اور حدیثوں کے متعلق چونکہ طول زمانہ کی وجہ سے تحقیق کے ذریعے جاتے رہے قطع ہو چکے ہیں یا ورصحت یا فساد یعنی اعتبار اور بے اعتباری کے راستے بند ہو چکے ہیں اسلئے اب غیر معتبر راویوں کی حدیثوں کے معتبر یا غیر معتبر ہونیکے علم کا طریقہ ہمارے لئے اسمیں منحصر ہو گیا ہے کہ دیکھیں کہ ہمارے علماء اعلام نے

صحیح بیان کیا ہے اور کسی میں اوس سے غلط فہمی ہوئی ہے یا بالمعنی نقل کرنے میں پورا اور صحیح مطلب ادا نہ کر سکا ہے یا سننے میں اوس نے اشتباہ کیا ہے۔ پس اگر صحیح سند کی حدیث کو اون لوگوں نے چھوڑ دیا ہے تو صحت سند اوس کو تسلیم کرنے کے لئے کافی نہ ہوگی اور وہ چھوڑ ہی دی جائیگی اور اگر ضعیف سند کی حدیث کو اونھوں نے قبول کر لیا ہے تو اوس کی سند کا ضعیف اوس کو چھوڑ دینے کا باعث نہ ہوگا۔ بلکہ اوس کو قبول ہی کرنا پڑیگا[۵]

بتیسواں مقدمہ ۳۲

نقلی دلیلوں پر عقلی دلیلوں کی ترجیح اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ خداوند عالم نے عقل کو باطنی ہادی بنایا ہے جسطرح انبیا اور اوصیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام کو ظاہری ہادی

جو زمانہ معصوم سے نزدیک تھے اور تحقیق و تحصیل علم و یقین کا ذریعہ اون کے لئے آسان اور راستہ اوس کا کھلا ہوا تھا ان حدیثوں پر عمل کیا ہے یا نہیں۔ اگر عمل کیا ہے تو معلوم ہوگا کہ اس کا غیر معتبر راوی اس حدیث کے بیان میں سچا تھا اور یہ معصوم ہی کی فرمائی ہوئی ہے۔ اور اگر علماء نے اس کو قبول نہیں کیا ہے تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث جعلی ہے۔
اسی بیان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس حدیث کے راوی معتبر ہیں اور علماء نے اوس کو چھوڑ دیا ہے یا تو اس میں حکم تقیۃً بیان کیا گیا ہے یا راوی کو غلط فہمی ہوئی ہے یا نقل بالمعنی میں غلطی کی ہے ۱۲ منہ

۵ منجملہ بہت سے قرائنِ اعتبارِ حدیث کے چار قرینے ایسے ہیں جو اون حدیثوں کو جن کا اعتبار مشکوک ہو۔ جیسے مرسل یا راوی ان کے غیر معتبر ہوں معتبر بنا دیتے ہیں اور اس امر کا یقین دلا دیتے ہیں کہ یہ حدیثیں بے شبہ معصوم کی فرمائی ہوئی ہیں۔ ایک کتابِ خدا۔ دوسرے وہ حدیث جسکا صحیح و معتبر ہونا معلوم ہو۔ تیسرے فرقۂ حقہ کا یقینی اجماع۔ چوتھے عقلی اصول و قواعد۔ پس جس غیر معتبر حدیث کا مضمون ان چاروں چیزوں میں سے کسی ایک کے موافق ہوتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ معصوم کی فرمائی ہوئی ہے اور قبول کر لی جاتی ہے اور راویوں کی بے اعتباری پر توجہ نہیں کی جاتی۔ اسی طرح اگر کوئی حدیث ان چاروں میں سے کسی ایک کے مخالف ہو اور باقی تین نہ اوس کے موافق ہوں نہ مخالف تو وہ حدیث چھوڑ دیجاتی ہے اور راویوں کے اعتبار پر

بنایا ہے۔ اور جسطرح اُن حضرات کی فرمائشوں پر عمل کرنا بارگاہ پروردگار میں عذر اور باعثِ نجات ہے اوسی طرح صرف حکمِ عقل پر عمل کرنا بھی۔ لیکن اُس مسئلہ میں جس میں انحضرات کا لائق عمل حکم موجود نہ ہو بشرطیکہ حکمِ عقل یا تو خود بدیہی ہو جیسے ظلم کی بُرائی اور انصاف کی خوبی۔ یا بدیہی دلیلوں سے نکالا گیا ہو۔ جیسے دنیا کا کسی خالق کی طرف محتاج ہونا۔ اور جس مسئلہ میں حکم شرعی موجود ہو اوس میں حکمِ عقلی بھی اوس کے موافق ہوتا ہے کیونکہ حکم شرعی اور حکم عقلی آپس سے جدا نہیں ہوتے۔ اگرچہ ہماری ناقص عقلیں کسی وقت اوس کو سمجھ نہ سکیں۔

حضرت سرورِ عالم صلوات اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوندِ عالم نے عقل سے خطاب فرمایا کہ قسم ہے میری عزت اور جلالت کی کہ میں نے نہ تو تجھ سے زیادہ بزرگ کوئی چیز پیدا کی اور نہ تجھ سے زیادہ اپنا مطیع و فرمانبردار[۱]

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ بندوں پر خدا کی حجت انبیاء ہیں اور درمیان بندوں کے اور خدا کے عقل حجت ہے۔ لیکن ہر عقل حجت نہیں ہے۔ بلکہ وہ عقل حجت ہے جسکو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے پہچنوایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ عقل اوس کو کہتے ہیں جو عبادت پروردگار اور جنت حاصل کرنیکا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۱۲

ے بعض راوی ایسے بھی ہیں جنکی کج فہمی سے اونکی روایتیں زیادہ تر کج و پیچ اور مضطرب المضمون ہوتی ہیں منجملہ ان کے ایک عمار ساباطی ہے جسکی روایتوں کو بعض علماء نے اسکی وثاقت کے لحاظ سے موثقہ کے درجہ میں رکھا ہے لیکن بلحاظ اضطراب مضمون کے جبتک اون کی مؤید کوئی معتبر حدیث نہیں ملتی وہ قبول نہیں کیجاتی ہیں۔ یہ راوی چونکہ فاسد المذہب تھا اس لئے بھی بعض علماء اس کی حدیثوں پر عمل کرنا تجویز نہیں کرتے۔ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ اپنی ناقص سمجھ کے مطابق حدیثوں کو بالمعنی نقل کیا کرتا تھا اسوجہ سے اس کی حدیثوں میں خرابیاں ہوگئی ہیں (رجال ابو علی ۱۲) ۱۲ منہ للعہ حضرت امام جعفر صادق مقبولہ عمر بن حنظلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جس حدیث پر تمہارے اصحاب یعنی علماء مذہب نے اتفاق کیا ہے اس کو قبول کرلو (فصول المہمہ باب ۲۱ ص ۲۸) ۱۲ منہ ے حجت کا لغوی معنی درست کلام اور اس کلام سے مقصود دلیل اور برہان ہے جو حق پرستوں کیلئے مفید اور عذر ہے یعنی اس کے

ذریعہ ہو۔ سائل کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یہ جو معاویہ میں تھی اس کو کیا کہتے ہیں؟ فرمایا
اسکو مکر اور شیطنت کہتے ہیں جو عقل کے مشابہ ہوتی ہے درحقیقت وہ عقل نہیں ہے لہ
اور حضرت پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص صاحبِ عقل ہوگا وہ دیندار ہوگا اور جو دیندار
ہیں وہ بہشت میں داخل ہوں گے ۲ اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کسی
نے پوچھا کہ آج اہلِ دنیا پر حجت کیا چیز ہے فرمایا وہ عقل جس سے انسان اُن لوگوں
(ائمہ معصومین علیہم السّلام) کو پہچانے جو خدا کی طرف سے سچّا دعویٰ کرتے ہیں۔
پس اُن کے دعوے کی تصدیق کرے (یعنی اون کی امامت اور ان کے احکام کو مانتے)
اور اون لوگوں (خلفاء جور) کو پہچانے جو خدا پر جھوٹھ باندھتے ہیں پس اون کو
جھوٹھلائے (یعنی اون کی اتباع اور پیروی نہ کرے) ۳
عبداللہ بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں
عرض کیا کہ ایک عاقل شخص ہے جو وضوء اور نماز کے ساتھ مبتلا ہے۔ (یعنی وسواسی
ہوگیا ہے) تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اوس میں عقل کہاں ہے جبکہ وہ شیطان کی
اطاعت کرتا ہے میں نے عرض کیا کہ شیطان کا مطیع کیسے ہے تو ارشاد فرمایا کہ خود
اُسی سے پوچھو کہ یہ وسوسہ اوس کا کس کی طرف سے ہے وہ خود ہی کہیگا کہ شیطان کیطرف سے
ان حدیثوں سے چار باتیں معلوم ہوئیں پہلے یہ کہ عقل حجت ہے اور عذر اور ذریعہ نجات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱

ہوتے ہوئے خداوند عادل ثواب دیگا اور عذاب نہیں کریگا۔ اور باطل پرستوں کیلیے
مضر ہے اور باعث عذاب کیونکہ اس کے ذریعہ سے اون کا باطل پرست ہونا اون پر
ظاہر ہو جاتا ہے۔ ۱۲ منہ ۵ اس مضمون کو پہلی حدیث کا آخری جملہ بھی صاف صاف
بتا رہا ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل خدا کی فرمانبرداری ہی کا ذریعہ ہوتی ہی گناہ
کا ذریعہ نہیں ہوتی اور اسکے بعد کی حدیثیں بھی یہی بتاتی ہیں ۱۲ منہ ۱ فصول المہمہ باب ۱ ص ۹ ۱۲۔
۶ یہ حدیث منطقی شکلوں میں سے شکل اول کے مطابق ہے اور اوس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ
صاحبانِ عقل بہشت میں داخل ہوں گے۔ اور اس نتیجہ کے لحاظ سے عقل کی حجیت پر یہ
حدیث بھی ایک مستقل دلیل ہے ۱۲۔ ۲ فصول المہمہ باب ۱ ص ۹ ۱۲ ۳ فصول المہمہ باب ۳ ص ۹ ۱۲
۴ فصول المہمہ باب ۱ ص ۹ ۔ ۱۲۔

دوسرے یہ کہ اون لوگوں کی عقلیں حجت ہیں جو دیندار اور فرمانبردار پروردگار ہیں
تیسرے یہ کہ عقلیں عصیان اور مخالفتِ پروردگار کا ذریعہ نہیں ہوتیں۔
چوتھے یہ کہ باطل پرستوں اور گناہگاروں کی ظاہری عقلیں درحقیقت عقلیں نہیں ہیں بلکہ مشابہ بہ عقل ہیں اور شیطنت اور مکرودھوکہ بازی اور مغالطہ وفریب جو نہ تو حجت ہیں اور نہ بارگاہِ رب العزت میں عذر اور باعث نجات۔ اس لئے دینی امور میں مداخلت کرنا ان عقلوں کا عہدہ اور وظیفہ نہیں ہے۔

جب یہ معلوم ہوچکا تو اب یہ سمجھنا چاہئے کہ حکم عقل یا تو خود الیا بدیہی اور روشن ہوتا ہے جس کو دنیا کا ہر عاقل بدون قیدِ مذہب اور ملت کے سمجھتا اور اقرار کرتا ہے اگرچہ کبھی غلبۂ نفس امّارہ کی وجہ سے اوس میں مبتلا بھی ہو جائے۔ جیسے ظلم کی بدی اور انصاف کی خوبی۔ اور کبھی بدیہی چیزوں کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی کل چیزیں ایک حالت رکھتی ہیں وہ یہ کہ ایک وقت موجود نہ تھیں اور پھر موجود ہوئیں اوس کے بعد پھر فنا ہوگئیں۔ اور یہ بھی دیکھا کرتے ہیں کہ جو چیز موجود نہیں ہوتی وہ خود بخود پیدا نہیں ہو جاتی بلکہ اس کو پیدا کرنے والا کوئی دوسرا ہوا کرتا ہے۔ تو ان دونوں باتوں کے سمجھ لینے کے بعد عقل حکم کرتی ہے کہ پوری دنیا بھی بغیر کسی پیدا کرنے والے کے موجود نہیں ہوسکتی اس لئے اس کا بنانے والا کوئی ضرور ہے اور وہ مثل دنیا کی چیزوں کے اپنے موجود ہونے میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہے ورنہ وہ خود پیدا نہ ہوتا اور دنیا بھی پیدا نہ ہوتی اس واسطے ایک ایسی ہستی کا موجود ہونا ضرور ہے جو بغیر کسی پیدا کرنیوالے کے خود بخود موجود ہو اسی طرح ہر سمجھدار دنیا کے سمجھداروں کو دیکھتا ہے کہ جب کہیں جانا چاہتے ہیں اور وہاں کی راہ دریافت کرتے ہیں اور ایک بے اعتبار شخص ایک راہ بتاتا ہے اور ایک معتبر اور سچا شخص دوسری راہ تو دنیا کے سمجھدار معتبر ہی شخص کی بتائی ہوئی راہ کو اختیار کرتے ہیں اور وہ خود بھی اپنا سمجھتا ہے کہ سچا شخص غلط نہیں بتائے گا۔ تو اوس کی عقل یہ حکم کرتی ہے کہ جب دنیاوی امور میں جھوٹوں کے بیان اور اون کی بتائی ہوئی راہ سے پرہیز کیا جاتا ہے اور سچوں کے بیان پر عمل کیا جاتا ہے حالانکہ دنیاوی نفع اور نقصان بہ نسبت اخروی نفع اور نقصان کے بہت خفیف ہے تو اخروی اور دینی امور میں ایسے شخص کی پیروی

کیسے جائز ہوگی جو جھوٹ بول سکتا ہو کیونکہ اوس کا بیان اور اوس کی پیروی خطرہ سے خالی نہیں ہے اور جہاں منزل مقصود تک پہونچنے کا احتمال ہے وہاں نہ پہونچنے کا دغدغہ بھی لگا ہوا ہے۔ اسی طرح جب دیکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص مثلاً زید کے متعلق اعلان کردے کہ اوس کی فطرت میں غلط گوئی اور خطا کاری داخل ہے۔ نہ اوس کی باتیں لائق اعتبار ہیں اور نہ اس کی رفتاریں خطا سے محفوظ۔ اور پھر اوسی زید کو ایسی جماعت پر حاکم بنا کر بھیجے جو اوس کی بے اعتباری اور خطا کاری کو جانتی ہو تو لوگ اوسی شخص کو بیعقل کہتے اور مذمت کرتے ہیں کہ جسکی بے اعتباری کا اعلان کر چکا ہے اوسی کو اپنی رعایا کا پیشوا اور اپنے احکام کا واسطہ قرار دیا ہے تو اوس کی عقل یہ حکم کرتی ہے کہ جس کی بے اعتباری کا خود اعلان کیا ہو اوسی کو امین بنانا اپنی غرض کو کھونا اور اپنی رعایا کو متمرد اور سرکش بنانا اور اون کا الزام اپنے سر لینا ہے جو کمال بے عقلی اور دیوانوں کا فعل ہے۔
خلاصہ کلام یہ کہ ان باتوں کو سمجھ لینے کے بعد عقل پانچ امروں کا فیصلہ کرتی ہے۔
ایک[۱] یہ کہ خدا ضرور موجود ہے جس نے اس دنیا کو پیدا کیا۔ دوسرے[۲] یہ کہ وہ خود بخود موجود ہے اپنی ہستی میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہے۔ تیسرے[۳] یہ کہ انبیاء و اوصیاء جو اہل دنیا کے پیشوا اور حاکم بنائے گئے سب معصوم تھے۔ چوتھے[۴] یہ کہ خدائے پاک جو حکیم علی الاطلاق ہے خطا کاروں اور گنہگاروں کو اپنے بندوں کا پیشوا یعنی نبی یا وصی نہیں بنا سکتا۔ پانچویں[۵] یہ کہ انسان کو چاہیے کہ ہر امر میں عموماً اور دینی اور اخروی امور میں خصوصاً بے خطا اور باکمال لوگوں کی پیروی کرے کیونکہ دمڑی کی ہانڈی بھی خرید کرتا ہے تو ٹھوک بجا کر دیکھ لیتا ہے اخروی امور تو بہت قیمتی اور مایہ نجات ہیں۔ اور حکم عقل کا منشا اور دار و مدار بعض چیزوں میں اون کی ذاتی بھلائی اور ذاتی برائی پر ہے اور بعض چیزوں میں تجربہ اور مشاہدہ پر۔ جبتک یہ منشا حاصل نہیں ہو لیتا عقل کوئی حکم نہیں کرتی اور حاصل ہو جانے کے بعد قطعی اور یقینی حکم کرتی ہے اور جب تک اوس منشا کے سمجھنے میں اوس کی غلطی ثابت نہ کیجائے وہ اپنے حکم سے دست بردار نہیں ہوتی۔ اور جبتک یہ اپنے قطعی حکم پر باقی رہتی ہے صاحب اوس عقل کا عقلاً و شرعاً و عرفاً اوس حکم پر عمل کرنے میں معذور بلکہ مستحق اجر و ثواب[۱] سمجھا جاتا ہے اگرچہ درحقیقت عقل منشا کے سمجھنے میں غلطی پر ہو۔

---

[۱] مولانا ابو عبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اِذَا بَلَغَكُمْ عَنْ رَجُلٍ حُسْنُ حَالِهٖ

مثلاً اگر کوئی شخص شراب کے متعلق یقین رکھتا ہو کہ آبِ انار ہے اور اوس کو پینا چاہے تو عقل اوس کی اوس کے استعمال کی قطعی اجازت دیتی ہے۔ پس اگر وہ اوس کو پی لے اور بعد اوس کے معلوم ہو جائے کہ شراب تھی تو اوس کیلئے کوئی سزا نہیں ہے نہ عقلاً نہ شرعاً نہ عرفاً بلکہ اگر بغرض علاج بنظر تعمیل حکم پروردگار پیئے تو ثواب کا بھی مستحق ہوگا۔ اِسی طرح اگر آبِ انار کو شراب سمجھکر پیئے تو عقلاً و عرفاً بلکہ شرعاً بھی مستحق سزا و ملامت ہے کیونکہ اوس نے جرأت کی اور گناہ کا ارادہ کیا اگرچہ بعض علماء کو اس میں تامل ہے۔ اور حجیت عقل کے معنی یہی ہیں۔

بہر حال منشاء حکم کو سمجھ لینے کے بعد عقل کا حکم قطعی اور یقینی ہوا کرتا ہے اور تا زوالِ منشاء باقی رہتا ہے ہاں اصولِ عملیہ جن کو علماءِ فنِ اصولِ فقہ ادلۂ عقلیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے اصلِ برائت واستصحاب وغیرہ تو اگرچہ ان میں حکمِ عقل کے خلاف کا احتمال رہتا ہے لیکن یہ احتمال ایسا ضعیف ہوتا ہے کہ عقلاءِ زمانہ اوس پر توجہ نہیں کرتے اور اوس کو حکم عدم میں قرار دے کر ان ادلہ کے حکم کو قطعی اور یقینی ہی کے حکم میں قرار دیکر عملدرآمد کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی دلالت زیادہ ترظنی ہوتی ہے[۵] جس میں دوسرے معنی کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ اور بہت کوشش کیجائے تو شاید سو پچاس آیتیں ایسی ملسکیں

فَانْظُرُوا اِلٰی حُسْنِ عَقْلِہٖ فَاِنَّمَا یُجَازٰی بِعَقْلِہٖ (کنز الفوائد کراجکی علیہ الرحمہ ص۸۷) یعنی اگر کسی شخص کے اچھے حال میں ہونے کی تم کو خبر ملے تو اوس کی عقل کو دیکھو کہ اچھی ہے یا نہیں کیونکہ انسان اپنی عقل ہی پر سزا و جزا کا مستحق ہوتا ہے۔ ایک راہب ستر سال سے مشغولِ عبادتِ پروردگار تھا۔ فرشتوں نے اوس کے نامۂ عمل میں ثواب بہت کم دیکھکر تعجب کیا اور بارگاہ رب العزت میں دریافت سبب کیلئے مناجات کی حکم ہوا کہ اوس سے پوچھو کہ اپنے مصلے کے اطراف میں بہت سی گھانس کیوں لگا رکھی ہے۔ چنانچہ جب اوس سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ جب خدا میری ملاقات کو آئیگا تو اسکا گدھا اوسکو چریگا۔ حکم ہوا کہ ثواب کی کمی اس کی عقل کی کمی کی وجہ سے ہے۔ مولانا و مقتدانا حضرت امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ قصم ظہری اثنان جاہل متنسک و عالم متہتک ۲ لوگوں نے توڑا ایک جاہل عبادت گذار دوسرے عالم بدکردار۔ مارپیٹ گالی گلوچ کرنیوالا فضیحتی کرنیوالا ۱۲

[۵] لفظی دلالتوں کے زیادہ ترظنی ہونے کے کئی سبب ہیں منجملہ اون کے ایک ان کا مطلق و مجمل وغیرہ ہوتا ہے اور دوسرے اکثر الفاظ کا کثیر المعنی ہونا۔ ۱۲ منہ

جنکی دلالت ہر حیثیت سے اون کے معانی پر یقینی ہو۔ کیونکہ زیادہ تر آیتیں ایسی ہیں جنکی دلالت اگر ایک لحاظ سے نص اور صریح ہے تو دوسری حیثیت سے ظاہر اور ظنی جسمیں خلاف کا احتمال ہوتا ہے۔ یا مجمل و مبہم جن کے احتمالات سب برابر ہوتے ہیں۔ بلکہ سیوطی نے ایک جماعت متکلمین سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قران مجید اور حدیثوں میں ایسے الفاظ شاذ و نادر ہیں جن کی دلالت یقینی ہو[۱]۔ اور مؤید اس کی وہ حدیثیں ہیں جو اہلبیت عصمت و طہارت سے منقول ہوئی ہیں۔ اون میں سے ایک[۲] حدیث حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔ ابن عباس سے ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلقُراٰنُ حَمَّالٌ ذُو وُجُوہٍ تَقُولُ وَیَقُولُونَ[۲] یعنی قران بہت سے احتمال اور بہت سے رُخ رکھتا ہے۔ تم کوئی معنی مراد لوگے اور خوارج کوئی معنی۔ اور دوسری[۳] حدیث میں معصوم ارشاد فرماتے ہیں کہ اِنَّ القُراٰنَ ذَلُولٌ ذُو وُجُوہٍ فَاحمِلُوہُ عَلٰی اَحسَنِ الوُجُوہِ[۴] یعنی قران مجید تمھارے اختیار میں ہے اور بہت سے رُخ رکھتا ہے جس معنی پر چاہو محمول کر سکتے ہو۔ پس اوس کو اچھے معنی پر محمول کرو۔ اور شاہد اس پر منجملہ بہت سی آیتوں کے ایک آیت یہ ہے وَالبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذنِ رَبِّہٖ وَالَّذِی خَبُثَ لَا یَخرُجُ اِلَّا نَکِدًا (سورۂ اعراف آیت ۵۸ پارہ ۸) اس آیہ مبارکہ میں لفظ بلد اور لفظ نبات کئی معنی پر محمول ہو سکتا ہے اور اس کی متعدد تفسیریں بھی کی گئی ہیں۔

لفظ بلد اور نبات کے معنی جو لغتوں اور تفسیروں میں لکھے ہیں اور مراد لئے گئے ہیں سب کو جمع کرنے سے یہ آیت کئی معنوں پر محمول ہوتی ہے۔ لفظ بلد چھ معنوں پر محمول کیا گیا ہے ع۱ قطعۂ زمین ع۲ مکہ ع۳ انسان ع۴ طینت ع۵ حضرت رسولؐ ع۶ ائمہ کرام علیہم السلام۔ اور لفظ نبات دس معنوں پر۔ ایک[۱] درخت و گھاس وغیرہ ۲ معادن ۳ انسان ۴ حیوانات ۵ اولاد ۶ اخلاق ۷ علوم ۸ ڈاڑھی ۹ کثرت نسل ۱۰ جانشین اور لفظ نکد تین معنوں پر ع۱ قلیل ع۲ جھوٹا۔ ع۳ باطل۔ بلد طیب کے مقابل میں نبات میں بھی اچھے اور کامل

ع۱ تفسیر اتقان نوع ۵۰ صفحہ ۳۱ جلد ۲۔ ۱۲ منہ ع۲ تفسیر اتقان نوع ۳۹ صفحہ ۱۴۲ جلد ۱۔ ۱۲ منہ
ع۳ مرآۃ الانوار فصل ا صفحہ ۳۔ بدون تعیین اسم معصوم صاحب فرمائش۔ ۱۲ منہ

کی قید بڑھا دیجائیگی اور بلد خبیث کے مقابل میں نبات میں بُرے اور ناقص کی قید

مثال اس کی یوں سمجھو

بلد طیب بمعنی زمین خوب و پاک۔ **نبات نفیس** بمعنی ۱؎ کثیر و تر و تازہ اور مفید اور خوشگوار پھلوں کے درخت ۲؎ جواہرات اور سونے چاندی کے معادن ۳؎ ہونہار اور باکمال و خوش اخلاق اور خوبصورت انسان ۴؎ اچھے قد و قامت و شکل و صورت و نیک سیرت کے جانور۔

بلد خبیث بمعنی بُری اور نمکین زمین **نبات خبیث** بمعنی ۱؎ بدمزہ۔ بدخوارہ قلیل المقدار و مضر و تلخ و تند درخت وغیرہ ۲؎ گندیدگی نجاسات وغیرہ کا محل ۳؎ بدشکل ناکارہ بدصورت بدسیرت بداخلاق انسان ۴؎ بدشکل بد قامت بدصورت شریر و بدذات حیوان وغیرہ۔

بلد طیب بمعنی انسان نیک طینت۔ **نبات طیب** بمعنی ۱؎ اکثرت نسل ۲؎ اولادِ نیک سیرت ۳؎ خود اچھے اخلاق کا انسان ۴؎ علوم نفیسہ ۵؎ ڈاڑھی بھرپور

بلد خبیث بمعنی انسان بدطینت۔ **نبات خبیث** بمعنی ۱؎ قلیل النسل ۲؎ اولادِ بدسیرت ۳؎ خود بداخلاق ۴؎ جاہل ۵؎ کوسج ڈاڑھی والا۔ اسی طرح دوسرے معنی کو بھی ربط دے لو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قرانِ مقدس کے محتمل اور ذو وجوہ یعنی کثیر المعانی اور کثیر المصادیق ہونے کی وجہ سے اوس کے کسی آیت کے متعلق یہ یقین حاصل نہیں ہو سکتا کہ اس سے فلاں ہی معنی معین طور پر مقصود ہے اس واسطے اس کی دلالت کے قطعی ہونے کا دعوی نہیں کیا جا سکتا اور زیادہ تر آیتوں کی دلالت ظنی ہی ہوتی ہے بجز متشابہ آیتوں کے کیونکہ اون کی دلالت مجمل اور مبہم ہوتی ہے اور ظاہری معنی مراد نہیں ہوتا اور نہ اسکا گمان ہوتا ہے۔

نتیجۂ کلام پس جب معلوم ہو گیا کہ عقل کا حکم یقینی ہوتا ہے اور نقلی دلیلوں یعنی الفاظ قران و حدیث کی دلالت ظنی۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ گمان یقین کا مقابلہ نہیں کر سکتا پس اگر کسی آیت یا حدیث کا ظاہری معنی حکم عقل کے مخالف ہو تو اوس کو ایسی معنی پر محمول کرنا ضرور ہے جو حکم عقل کے مطابق ہو اور اگر کسی طرح حکمِ عقل کے مطابق نہ ہو سکے تو چھوڑ دی جائیگی۔

اور حکم عقل اختیار کیا جائے گا۔ جیسے آیت یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ
کہ اس کا ظاہری معنی یعنی خدا کا اپنے بندوں کو گمراہ کرنا حکم عقل کے مخالف ہے۔ اس واسطے
کہ خدا نے اپنے بندوں سے اپنی اطاعت اور فرمانبرداری چاہی ہے اور اون کو اسی
غرض سے پیدا کیا ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتا ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ
یعنی ہیں نے جن اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ میری عبادت کریں۔ اور یہ بھی علوم
ہے کہ ایک تو کوئی صاحب عقل اپنی غرض کو ضایع کرنے کی تدبیر خود نہیں کرتا۔ دوسرے
اپنے محکوم کو کسی امر کا حکم دینا اور اس امر کو حاصل کرنے سے اوس محکوم کو مجبور کر دینا اور
پھر حاصل نہ کرنے پر اوس کی سزا کرنا صریح ظلم ہے۔ پس جبکہ یہ دونوں باتیں ناقص العقل
انسان کے لئے ناجائز اور عیب ہیں تو حکیم علی الاطلاق اور خالق عقل و عقلاء کے لئے
کب جائز ہوں گی اوس کے لئے تو یہ چیزیں بدرجۂ اولیٰ قبیح اور عیب ہوں گی۔
اس لئے عقلاء پر لازم ہے کہ اس آیت کی اس طرح توجیہ کریں کہ چونکہ اس میں مقام
اضلال و ہدایت کی کوئی قید نہیں ہے اور دنیا کی قید بڑھانا سبب قباحت ہے
اس واسطے آخرت کی قید بڑھائی جائیگی۔ اور معنی یہ ہو گا کہ آخرت میں خدا جس کو چاہیگا
راہِ بہشت سے ہٹا دیگا اور جسکو چاہیگا راہ بہشت بتائے گا یعنی اوس راہ سے ہٹائے
جانے والے گناہگار رہوں گے اور بتلائے جانے والے نیکوکار۔ اسی طرح سے آیت
یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (خدا کا ہاتھ لوگوں کے ہاتھوں پر ہے) خدا کے لئے جسمیت
ثابت کرتی ہے اور حکم عقل یہ ہے کہ خدا کے لئے جسم نہیں ہو سکتا ورنہ وہ محتاج اور
حادث اور اپنی مخلوقات کے مانند ہو جائے گا اور ایسے صفات جس میں ہوں وہ
خدا نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ضرور ہے کہ ید کا معنی قدرت لیا جائے۔ یعنی خدا
کی قدرت سب کی قدرت سے بالاتر ہے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ
میں گیہوں کھانے سے ممانعت کے متعلق چونکہ عقل کا قطعی حکم معلوم ہو چکا کہ انبیاء
اور اوصیاء معصوم ہوتے ہیں جیسا کہ بلیسویں مقدمہ میں تفصیل گذر چکا اس واسطے
کہنا پڑے گا کہ اگر اس آیت سے مقصود درحقیقت گیہوں ہی کھانا ہے تو یہ ممانعت تنزیہی
اور ارشادی تھی تحریمی نہ تھی اور ان کا گیہوں کھانا حرام نہ تھا۔ بلکہ خلافِ اولیٰ تھا۔
درحالیکہ قرآن و حدیث میں کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے کہ یہ ممانعت تحریمی تھی۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فرمائش ھٰذَا رَبِّی کے متعلق یقیناً ماننا پڑے گا کہ یہ کلام اون کا خبر اور اقرار کی صورت میں نہ تھا بلکہ استفہام انکاری تھا۔ جسکا معنی یہ ہے کہ یہ ستارے اور آفتاب و ماہتاب خدا نہیں ہیں۔ ہم کو ان مباحث کو یہاں پر طے کرنا مقصود نہیں ہے ان کا پورا بیان اپنے اپنے مقام میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا یہاں پر صرف مثال کے طور پر چند آیتوں کو ذکر کر دینا مقصود ہے اور جو گفتگو آیتوں کے متعلق ذکر کی گئی بعینہ وہی باتیں حدیثوں میں بھی جاری ہیں۔

تینتیسواں مقدمہ

تفسیر بالرائے جائز نہیں ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قرانِ مقدس کی آیتوں کے ہر پہلو اور ہر حال کو اور ان کے ظاہری اور باطنی معانی اور تاویل اور سبب نزول کو حضرت سرورِ عالم اور ائمہ معصومین علیہم الصّلوٰۃ والسلام ہی جانتے تھے اور علم قران پورا پورا وہیں کے پاس تھا کیونکہ اون کے گھر میں اوتارا گیا اور گھر کی چیزوں کو گھر ہی والے اچھی طرح جانتے ہیں اور اس مضمون پر متواتر حدیثیں دلالت کرتی ہیں جن میں سے کچھ حدیثیں بائیسویں اور چوبیسویں اور اکتیسویں مقدمہ میں ذکر کی گئیں۔ اور انھیں میں سے حدیث ابو الصباح ہے جس کو انھوں نے بسند صحیح حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپنے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنے رسولؐ (حضرت سرور عالم) کو قران کا ظاہری اور باطنی معنی تعلیم کیا اور حضرت سرور عالمؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو تعلیم کیا۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے واللہ ہم لوگوں کو تعلیم کیا۔

اور یعقوب بن جعفر کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ کتاب خدا کی بعض تفسیر آپ ایسی بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اوس کو کسی سے نہیں سُنا۔ تو آپ نے فرمایا کہ قران مجید لوگوں سے پہلے ہم لوگوں پر نازل ہوا اور لوگوں سے پہلے اوس کی تفسیر ہم لوگوں سے بیان کی گئی۔ پس ہم لوگ اوس کے حلال اور حرام اور ناسخ اور منسوخ

اور سفری اور حضری کو جانتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ کون آیت کس سبب کو اوتاری گئی اور کس شخص کے حق میں اوتاری گئی اور کس بارے میں اوتاری گئی۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اپنے سینۂ اقدس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ قرآن کا پورا علم ہم لوگوں کے پاس ہے۔ اور خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (عنکبوت پ۲۱ آیت ۴۹) یعنی قرآن مجید روشن نشانی ہے اون لوگوں کے سینہ میں جن کو علم دیا گیا۔

اور بروایت اہلسنت روایت ۵ صحیح ابوداؤد ہے کہ حضرت سرور عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ تم تعلیم کروگے لوگوں کو تاویل قرآن جسکو وہ نہیں جانتے۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ کے بعد لوگوں تک کیا چیز پہونچاؤں گا۔ فرمایا کہ قرآن کی تاویل اور اوس کے معانی جنکا سمجھنا اون پر دشوار ہوگا۔

۶ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سوائے اوصیاء معصومین علیہم السلام کے کوئی دعوا نہیں کرسکتا کہ پورے قرآن اور اوس کے ظاہری اور باطنی معنی کا علم اُسکے پاس ہے۔ اور سوائے جھوٹھے کے کسی نے دعوا نہ کیا کہ پورا قرآن اوس نے جمع کیا ہے۔ ۷ سوائے حضرت علیؑ اور اون کے بعد کے ائمہ علیہم السلام کے نہ تو کسی نے پورا قرآن جمع کیا اور نہ یاد کیا۔

پس تفسیر بالرائے اور ناجائز یہ ہے کہ بغیر اہلبیت عصمت و طہارت سے لئے ہوئے اپنے جی سے تفسیر کیجائے اور قرآن کے مطالب بیان کئے جائیں۔

چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے قتادہ سے جو مفسروں میں سے تھے ارشاد فرمایا کہ اگر تم قرآن کی تفسیر اپنی طرف سے کرتے ہو جب بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو ہلاک کیا اور اگر دوسروں (غیر اہلبیت) سے لیکر بیان کرتے ہو جب بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو ہلاک کیا۔

اہلبیت معصومین علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ تفسیر قرآن کرنا جائز نہیں ہے مگر صحیح حدیث سے جو نص صریح ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے جی سے تفسیر کرے اور ٹھیک مطلب بیان کرے تو اوس پر اُسکو ثواب نہ ملیگا اور اگر غلط بیان کرے تو

وہ آسمان (رحمت پروردگار) سے بہت دور رہیگا۔

اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جانتے ہو قران جس کیلئے بہت بڑی شرافت اور بزرگی ہے۔ اوس کو اختیار کرنے والا کون ہے؟ اوس کو اختیار کرنیوالا وہ شخص ہے جو علم قران اور اوس کے تاویل کو ہم اہلبیتؑ سے لے یا اُن لوگوں سے جو ہمارے اور ہمارے شیعوں کے درمیان واسطہ اور سفیر ہیں[۵]۔ مجادلہ کرنے والوں کی رایوں اور فاسقوں کے قیاسوں سے نہ لے۔ لیکن جو شخص قران کی تفسیر اپنے جی سے کرے پس اگر ٹھیک مطلب بیان کرے تو اوس نے نا اہل سے لینے میں خطا کی اور اگر غلط بیان کرے تو وہ جہنم میں جائے گا۔ اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے جی سے قران کی تفسیر بیان کرے وہ جہنم میں جائے گا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ اوس نے خدا پر جھوٹھ باندھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تفسیر بالرائے جو ناجائز ہے وہ یہ ہے کہ اوس میں اہلبیت معصومین علیہم السلام کی فرمائشوں اور اُن کے مذاق اور طور وطریقہ کی پیروی نہ کیجائے اور اوس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی شے کے متعلق رائے قائم کرے اور چاہے کہ اوس رائے فاسد پر قرآن سے دلیل قائم کرے پس کسی آیت کی اپنی رائے باطل کے مطابق تاویل کرے۔ حالانکہ اگر یہ غرض اوس کی نہ ہوتی تو اوس آیت کا یہ معنی بیان نہ کرتا۔ اور مخالفوں کی اکثر تفسیریں اسی قسم کی ہیں جو زیادہ تر ایسی تفسیروں اور حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں جو غرض فاسد کے مطابق گڑھی گئی ہیں۔ بلکہ بعض صحیح غرض رکھنے والے مناظر اور بعض اہل منبر بھی ایسا ہی کیا کرتے ہیں جو اپنے بیان کو مضبوط کرنے اور رونق دینے کے لئے آیتوں کو شاہد قرار دیتے اور بے منشاء اول آیتوں کی توجیہ اور تاویل بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ فعل حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ عربی قواعد سے جو ظاہری معنی پیدا ہوتا ہے اوس کو اختیار کرکے تفسیر بیان کرنے میں جلدی کرے بغیر اس کے کہ احادیث اہلبیتؑ سے کوئی شاہد اوس پر دیکھے۔ حالانکہ قران مجید کی آیتوں میں ابہام۔ تبدیل۔ اختصار۔ حذف۔ اضمار۔ تقدیم۔ تاخیر۔ ناسخ۔ منسوخ۔ خاص۔ عام۔ مطلق۔ مقید۔ رخصت۔ عزیمت۔ محکم۔ متشابہ وغیرہ بکثرت ہیں جو حدیثوں اور بیانِ معصوم کے محتاج ہیں۔

---

۵ یعنی علماء کرام علیہم الرحمہ والرضوان ۱۲ منہ

اور بغیر اس کے غلطی سے نجات نہیں ہو سکتی اور معقول عذر ہاتھ نہیں آسکتا۔
اور جائز تفسیر وہ ہے جو معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لی گئی ہو اور اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تفسیر کرنے والا اوس تفسیر کو معصوم کی اوس حدیث سے لے جسکی سند درست ہو اگرچہ عملِ علمائے اعلام سے مضبوط ہوئی ہو اور مطلب اوس کا اصول و قواعد مذہب اہلبیت کے مخالف نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ مفسر خدا و رسول و اہلبیت معصومین کا خالص مطیع و فرمانبردار ہو اور علوم کو اونھیں کے آستانہ مبارکہ سے لیا ہو اور اون کی فرمائشوں کا اس قدر مطالعہ کیا ہو اور اون کے اسرار سے اسطرح آگاہی حاصل کی ہو کہ علم میں اُسکو ملکہ اور معرفت میں اطمینان حاصل ہو گیا ہو اور اوس کے قلب کی دونوں آنکھیں کھل گئی ہوں اور حقائق امور اوس پر روشن ہو گئے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ علوم اہلبیت سے پوری طرح مانوس ہو گیا ہو اور ان کے مذاق اور مذہب اور طور و طریقہ کو اچھی طرح سمجھ چکا ہو۔ کہ تفسیر بیان کرنے میں اوس کا بیان معصومین علیہم السلام کی فرمائش اور طور و طریقہ اور اصول و قواعد مذہب کے مخالف نہ پڑے تو ایسے شخص کو اجازت دی گئی ہے کہ کلام پروردگار کی تفسیر کرے۔ اور اوس کے عجائب و غرائب میں غور و فکر کرے اور دقیق و باریک مطالب کو اوس سے نکالے۔ اور یہ ایک سعادت ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے اس سے بہرہ مند کرتا ہے۔ علم کسی خاص شخص کا حصہ نہیں ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ کتاب خدا میں چار چیزیں ہیں۔ ایک عبارت دوسرے اشارہ تیسرے لطائف یعنی باریک باتیں۔ چوتھے حقائق یعنی تہ کی باتیں۔ پس عبارت عوام الناس کیلئے ہے اور اشارے علماء کے لئے ہیں۔ اور لطائف اولیاء کے لئے ہیں۔ اور حقائق انبیاء کیلئے اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ علمائے اعلام کی تفسیروں میں بعض مطالب پائے جاتے ہیں جن کی شاہد کوئی صریح حدیث پائی نہیں جاتی۔ اور اس قسم کے علماء کے لئے خداوند عالم نے بھی اجازت دی ہے کہ قرآن کے مطالب میں غور و فکر کریں ارشاد فرماتا ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (سورہ محمد ۲۶ آیت ۲۴) یعنی قرآن میں کیوں غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑا ہوا ہے۔ (خلاصہ مرآۃ الانوار تغیر و اضافہ قلیل صفحہ ۱۱ تا ۱۳)
ربگیا ابدائے احتمال یعنی یہ بیان کرنا کہ اس آیت سے شاید یہ مراد ہو ممکن ہے یہ

مراد ہو۔ یہ آیت فلاں فلاں مطالب کو بھی شامل ہو سکتی ہے۔ اس کی شرح یوں کی جا سکتی ہے۔ اس کے مطلب کی تقریر بشکل منطقی یا بہ بیان عقلی اس طرح کیجا سکتی ہے مثلاً۔ تو ظاہر ہے یہ صورتیں تفسیر بالرائے میں داخل نہیں ہیں بلکہ ذکر احتمالِ تفسیری نہیں ہے کیونکہ لفظ تفسیر سے جو معنی ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی معنی کے مراد متکلم ہونے کو فیصلہ کے طور پر بیان کرے اور اس صورت میں بیان کرنے والا صرف احتمال بیان کرتا ہے اور علماء اعلام فقہاء اصولیین محدثین مفسرین علیہم الرحمہ والرضوان کی استدلالی کتابیں اس قسم کے احتمالوں سے مملو ہیں۔ صاحب مرآۃ الانوار مولانا عبداللطیف علیہ الرحمہ نے ان احتمالوں کو جائز تفسیر میں بے تامل اور بے خدشہ داخل کیا ہے۔ اور آیت کی تفسیر آیت سے کرنے کی ممانعت جو بعض حدیثوں میں پائی جاتی ہے اوس سے مقصود متشابہ کی تفسیر متشابہ سے کرنا ہے۔ متشابہ آیت کی تفسیر محکم آیت سے کرنا ممنوع نہیں ہے اور یہ منع وہاں بھی آئے گا جہاں متشابہ آیت کی تفسیر متشابہ حدیث سے کی جائے یا متشابہ حدیث کی تفسیر متشابہ آیت سے۔

تنبیہہ۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ تفسیر بالرائے جائز نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تفسیر بالرائے سے کیا مقصود ہے تو اب یہ سمجھنا چاہئے کہ تفسیر بالرائے کرنے والے جس غرض سے بھی تفسیر کریں یعنی خواہ اپنے خیال میں نیک نیتی سے تفسیر کرتے ہوں جیساکہ بعض اہلِ مناظرہ اور اہل منبر کے متعلق اوپر لکھا گیا۔ یا بدنیتی سے تفسیر کرتے ہوں واقع میں یہ دونوں ہی اوس آیت میں داخل ہیں جسکو مذمت کے مقام میں خداوند عالم نے نازل فرمایا ہے ارشاد فرماتا ہے اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ یعنی جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیتوں کو فتنہ و فساد اور اپنی خواہش کے مطابق توجیہ اور تاویل کی غرض سے اختیار کرتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے ملئے حدیثوں میں جہنم کا وعدہ کیا گیا ہے۔

چونتیسواں مقدمہ ۳۴

خدا نہ تو کسی کو گمراہ کرتا ہے اور نہ عملِ خیر پر مجبور کرتا ہے۔ شیعے کل اور اہلسنت میں سے

معتزلہ اس بات کے معتقد ہیں کہ خداوند عالم کی مقدس ذات ہر عیب اور برائی سے پاک ہے اور یہ کہ وہ کوئی برا کام نہیں کرتا۔ اور یہ کہ وہ عادل اور انصاف ور ہے۔ اور خدا کو ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے۔ اور اون لوگوں کی عقلی اور نقلی دلیلیں بہت ٹھوس اور مضبوط ہیں۔ لیکن اہلسنت کی زیادہ فرقیں جو اشاعرہ کہلاتی ہیں اپنے خالق اور منعم اور پروردگار کو اپنی ذاتوں سے بھی زیادہ عیب دار سمجھتی اور اسکے لئے ہر برے کام کو جائز جانتی بلکہ بندوں کے برے کاموں کو بھی خدا ہی کا کام ٹھہراتی ہیں۔ بلکہ وہ یہ بھی تجویز کرتی ہیں کہ خدا نیکوکاروں کو جہنم میں اور بدکاروں کو بہشت میں بھی داخل کر سکتا ہے۔ دیکھو دنیا کا کوئی سمجھدار شخص اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہر اچھا کام۔ جیسے انصاف کرنا۔ سچ بولنا۔ وعدہ کو پورا کرنا۔ عقل کے مطابق کام کرنا۔ اپنے خواہشوں کے حاصل ہونے کی ہر تدبیر کو انجام دینا وغیرہ اچھا اور انسانی صفت ہے۔ اسی طرح ہر برا کام۔ جیسے ظلم کرنا۔ جھوٹ بولنا وعدہ خلافی کرنا۔ خلاف عقل کام کرنا۔ اپنی خواہشوں کے حاصل ہونے میں خود ہی روکاوٹ پیدا کرنا وغیرہ۔ برا اور عیب اور عقلی اور انسانی صفتوں سے کوسوں دور ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا اور اوس کو ہر طرح کی نعمتوں سے سرفراز کیا اور اوس کی ہر حاجت کی پوری کرنیوالی چیزوں کو مہیا کر دیا۔ اور چونکہ ہر محسن اور منعم کے احسان کا بدلا اور اس کے نعمتوں کا شکریہ عقلاً واجب ہے اس لئے اوس حقیقی منعم اور محسن کی نعمتوں اور احسانوں کا بدلا اور شکریہ یعنی اسکی اطاعت اور فرمانبرداری بھی عقلاً واجب اور لازم ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایک محسن و منعم بلکہ ہر محسن سے بہتر اور ہر منعم سے افضل ہے اور اوس کے احسانوں اور نعمتوں کی کوئی حد و پایان نہیں ہے اور نہ کسی محسن کا احسان اور کسی منعم کی نعمت اوس کے احسانوں اور نعمتوں کا ہم پلہ ہے۔ اور محسن و منعم کی شکرگزاری صرف عقلی ہی نہیں ہے بلکہ فطری بھی ہے۔ انسان تو اشرف مخلوقات ہے۔ ادائے شکریہ کا احساس اوسکو تو ہونا ہی چاہیئے۔ اس کی خوبی کو تو جانور بھی فطرۃً جانتے اور اون کی ہر صنف اپنے اپنے جداگانہ طریقوں سے شکرگذاری کرتے ہیں جیسا کہ اوس کی توضیح ہم شروع دیباچہ میں کر آئے ہیں۔ شکرگذاری کی مطلوبیت اور وجوب کو خود خداوند منعم نے

بھی قرآن مقدس میں ارشاد فرمادیا ہے کہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون
(ذاریات پ۲۷ آیت ۵۶) یعنی جن اور انسان کو میں نے اپنی اطاعت اور عبادت
ہی کے لئے پیدا کیا۔ پس اگر وہ خود ہی بندوں کو اچھا کام کرنے پر مجبور کرے
یا برا کام کرائے اور گمراہ کرے تو اوس کی مقدس ذات پر کئی طرح کا عیب لگ جائیگا
ایک اپنے کام کا دوسرے کو ذمہ دار بنانا اور اوس کے سر منڈھنا۔ حالانکہ خود
ہی ارشاد فرما رہا ہے کل امرئ بما کسب رہین (سورہ طور پ۲۷ آیت ۲۱)
یعنی ہر شخص اپنے عمل کا ضامن ہے۔ کوئی شخص کسی غیر کے عمل کا جوابدہ نہیں ہے۔
دوسرے اگر اچھے اور برے عمل کا بدلا عمل کرنیوالوں کو دے جیسا کہ خود بھی اسکا
وعدہ فرما رہا ہے کہ لیجزی الذین آمنوا وعملوا الصلحت بالقسط (سورہ یونس
پ۱۱ آیت ۴) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اچھا کام کیا اون کو اپنے انصاف سے
اچھا بدلا دیگا۔ اور جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا (سورہ شورے پ۲۵ آیت ۳۸)
یعنی برے عمل کا بدلا برا ہے مثل اوسی عمل کے۔ تو یہ بدلا ظلم اور انصاف کے خلاف
ہوگا۔ کیونکہ اچھا اور برا دونوں طرح کا عمل کرنے والوں کو باوجودیکہ اپنے
اپنے عمل پر خود مجبور کر رکھا تھا ایک کو اچھا بدلا دیا اور دوسرے کو برا۔
حالانکہ ان بدلوں کو جزائے بالقسط یعنی انصاف کا بدلا فرما رہا ہے۔
تیسرے علاوہ ظلم اور خلاف انصاف ہونے کے غلط گوئی یعنی جھوٹھ
اور مغالطہ سنگی بھی لازم آئیگا کیونکہ ظالمانہ بدلے کو منصفانہ بدلا ظاہر کر رہا ہے
اور یہ دونوں چیزیں نہایت درجہ بری اور معیوب ہیں۔ اور جھوٹھ بولنے والوں پر
آیت مبارکہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین (آل عمران پ۳ آیت ۶۰) میں خود ہی
لعنت کر رہا ہے۔ چوتھے اگر اس وجہ سے بدلا نہ دے کہ وہ دونوں مجبور اور
معذور ہیں تو وعدہ کرنا غلط اور بیعقلی کا فعل ٹھہرتا ہے۔ حالانکہ اپنے حق میں ارشاد
فرماتا ہے واللہ علیم حکیم (سورہ نساء پ۵ آیت ۳۱) یعنی خدا سمجھدار اور صاحب
عقل ہے اور ان اللہ لا یخلف المیعاد (سورہ آل عمران پ۳ آیت ۷) یعنی
خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ پانچویں اگر اچھا کام کرنے والوں کو برا اور برا کام
کرنے والوں کو اچھا بدلا دے جیسا کہ اشاعرہ تجویز کرتے ہیں تو اس کیلئے بدترین مظالم

میں مبتلا ہونا لازم آئے گا جسکو بچوں کی عقلیں بھی بدترین عیوب سمجھتی ہیں۔ اور ایسے خدا کا کوئی اعتبار بندوں کی نگاہوں میں باقی نہ رہیگا اور نہ اوس کے جزا اور سزا کے وعدوں کی کوئی وقعت ہوگی اور نہ کوئی بندہ اوس کے حکموں کی تعمیل اپنی خوشی سے اس امید پر کرنا چاہیگا کہ اپنے نیک اعمال سے آخرت میں فائدہ اوٹھائے۔ اور خود خداوند حکیم کی وہ فرمائش بھی غلط ٹھہریگی جو ارشاد فرمارہا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔ (سورہ نسا پ ۵ آیت ۴۴) اور لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (سورہ کہف پ ۱۵ آیت ۴۹) ان دونوں آیتوں کا حاصل معنی یہ ہے کہ خداوند عادل ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ چھٹھیں اگر بندوں کو اون کے ارادے اور اختیار پر باقی نہ رکھے بلکہ اچھا اور برا کام خود ہی کرائے تو اون کو اچھا کام کرنے اور برے کام سے بچنے کا حکم دینا لغو اور بیکار ٹھہریگا۔ ساتویں جبکہ بندوں کو اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کیلئے پیدا کیا ہے اگر خود ہی اون کو گمراہ کرے اور اپنی مخالفت کی راہ پر لگائے تو اپنی غرض کو اپنے ہاتھوں کھونا لازم آئے گا۔ جسکو دیوانے بھی نہیں کرتے۔

پس دیکھو کہ اشاعرہ کے صرف ایک اس اعتقاد سے کہ بندوں سے خدا ہی ہر طرح کا کام کراتا اور وہی اون کو بہکاتا اور گمراہ کرتا ہے۔ خداوند مقدس کی پاک و پاکیزہ اور بے عیب ذات پر کتنے عیب لگ رہے ہیں۔ ع۱ اپنے عمل کو دوسروں کے سر منڈھنا۔ ع۲ بدلا دینے میں ظلم اور ناانصافی کرنا ع۳ غلط اور جھوٹ بولنا۔ ع۴ دھوکھا بازی کرنا اور مغالطہ میں ڈالنا۔ ع۵ جھوٹا وعدہ کرنا ع۶ وعدہ خلافی کرنا۔ ع۷ بیعقلی کا کام کرنا۔ ع۸ بدترین مظالم میں مبتلا ہونا۔ ع۹ اپنے وقار اور اعتبار کو خود کھونا۔ ع۱۰ اچھے کاموں کو کرنے اور برے کاموں سے بچنے کا بیکار حکم دینا ع۱۱ بندوں کو بہکا کر اپنی غرض کو خود اپنے ہاتھوں کھونا۔

جس خدا میں اتنے عیوب ہوں اوس سے کنجڑے کبڑے ہزار درجہ بہتر ہیں۔
میرا انداز تو یہ ہے کہ اگر کسی سمجھدار کو بے عیب خدا نہ ملتا ہو یا بے عیب خدا کو کسی غرض سے اپنا خدا ماننا نہ چاہتا ہو جب بھی وہ یقیناً ایسے مجمع عیوب خدا کی جگہہ پر کنجڑے بوں ہی کو اپنا خدا بنا لیگا۔ اور ایسے خدا کو خدا ماننے پر اوس کی طبیعت راضی نہ ہوگی اور گوارا نہ کرے گی۔

صحیح دماغ کا شخص اس امر سے ہرگز انکار نہیں کر سکتا کہ خدا کو اپنے کل بندوں سے بے انتہا افضل اور بہتر ہونا چاہئے۔ اور اولاد حضرت آدم علیہ السلام میں ایسے لوگ بھی یقیناً ہوئے ہیں جو ہر عیب سے پاک تھے۔ نہ زیادہ تو کم سے کم اُن فردوں کو ضرور بے عیب ماننا پڑیگا جو صاحب ملت اور مربی مذہب مانی جاتی ہیں۔ اور جہاں تک دیکھا جاتا ہے سوا اشاعرہ کے دنیا کے ہر مذہب والے اپنے مذہب کے رئیس کو نہ صرف یہ کہ بے عیب جانتے ہیں بلکہ جامع کمالات و صفاتِ حسنہ بھی مانتے ہیں۔ خواہ وہ اپنے مذہب کے رئیس کو لفظ نبی یا وصی سے تعبیر کریں۔ جیسے یہودی۔ عیسائی۔ مسلمان وغیرہ یا نہ کریں۔ جیسے آریہ۔ اور خدا جب تک کہ کل عیبوں سے پاک اور کل اچھے صفات کا جامع نہ ہو مربیانِ مذہب سے افضل اور بہتر نہیں کہا جا سکتا بلکہ جبتک اوس کے کمالات مربیان مذہب کے کمالات سے بے انتہا بہتر نہ ہوں وہ نہ تو خدا مانا جا سکتا ہے اور نہ اوس کو اون مربیانِ مذہب پر خدائی کرنے اور اونکا خدا بننے کا حق حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بہتری اور **افضلیت** اوس کے لئے حاصل نہیں ہو سکتی جبتک کہ مذکورہ بالا عیبوں سے پاک نہ ہو۔ اور ان عیبوں سے پاک نہیں ہو سکتا جبتک کہ بندوں کے ہر اچھے اور برے عمل کو اونھیں کے ارادہ و اختیار پر نہ چھوڑے ہاں۔ اچھے عمل کے اسباب کو مہیا کر دینا اوس کی طرف سے لطف اور تفضل ہے تاکہ اطاعت و فرمانبرداری کے انجام دینے میں خدا کی طرف سے غیر مقدور کی خواہش اور بندوں پر ضیق اور تنگی لازم نہ آئے جو مقتضائے رافت و حکمت پروردگار ہے **اسی وجہ سے** خدائے عادل و حکیم نے اپنے محکوم بندوں کو صاف تختی اور سادہ ورق کی طرح مجرد اور پاک پیدا کیا جو ہر رنگ سے رنگ جانے کی قابلیت رکھتا ہے اور ہر اثر کے قبول کر لینے کی صلاحیت اوسی کو عقل ہیولانی اور جوہر مجرد بھی کہتے ہیں۔ نہ تو اوس نے انکے آئینہ دل کو گمراہی کے گندیدہ دھواں سے دھوندھلا کیا ہے اور نہ اون کے صاف و سادہ لوح دماغ کو جبر و بے اختیاری کے ناپاک سیاہی سے گندہ اور داغدار۔ بلکہ اچھے اور برے کو سمجھنے کا قابل بنا کر دونوں کی راہوں کو روشن اور واضح کر دیا۔ اور اور ہر شخص کو اپنے اپنے عمل پر پورا پورا اختیار دے دیا۔

ہاں انسان اشرف مخلوقات کی انسانی فطرت کا میلان چونکہ ذاتاً اور طبعاً بھلائیوں کی طرف

ہوا کرتا ہے اس لئے اگر وہ اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو مثل یوزآسف کے یقیناً خدا شناس اور خدا پرست نکلیگا جو اوس کے عقل کی سلامتی اور حسن پسندی کا اقتضا ہے اور مشہور حدیث کُلُّ مَولُودٍ یُولَدُ عَلَی فِطرَةِ الاِسلَامِ وَالاَبَوَانِ یُهَوِّدَانِهِ وَیُمَجِّسَانِهِ وَیُنَصِّرَانِهِ میں اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ معنی اس کا یہ ہے کہ ہر مولود فطری اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور ماں باپ اوس کو یہودی اور مجوسی اور نصرانی بنا دیتے ہیں یعنی راہ راست سے ہٹا دیتے اور مذہب حق سے کنارے کر دیتے ہیں۔ اور علاوہ اون مذکورہ دلیلوں کے جو جبر کو خدا کے لئے عیب اور محال بتاتی ہیں ایک شخص کا ایک فعل میں فرمانبردار اور دوسرے فعل میں نافرمان ہونا اس امر پر بہتر شاہد ہے کہ ہمارے اپنے فعل میں مجبور نہیں ہیں۔ بلکہ آخری جملہ سے قطع نظر کر کے یہ بھی دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ کل مولود سے مقصود ہر مخلوق ہے خواہ جاندار ہو یا بیجان۔ حیوان ہو یا انسان اور قرآن مجید کے آیات سجدہ جن میں ہر مخلوق کا اپنے معبود کا مختلف صورتوں سے سجدہ کرنا مذکور ہے۔ اور اس امر کا ہمارا اور ہمارے اگلوں کا مشاہدہ کہ جاندار اور غیر جاندار سب نے اپنے ہر حقدار اور ولی نعمت انبیاء۔ اوصیاء۔ اور اون کے غیروں کی اطاعت و فرمانبرداری کی اور آج بھی کر رہے ہیں اور جب تک دنیا باقی ہے کرتے رہینگے۔ اس دعویٰ پر اچھا شاہد ہے۔

نتیجۂ کلام۔ جب یہ معلوم ہو چکا کہ خدا خود اپنے بندوں کو گمراہ نہیں کرتا اور نہ اچھا کام کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ تو قرآن مجید میں جو کئی جگہ یُضِلُّ اللّٰہُ مَن یَّشَاءُ وَیَهدِی مَن یَّشَاءُ آیا ہے۔ ان مقامات میں لفظ یُضِلُّ کا معنی وہ نہیں ہو سکتا جو اشاعرہ کہتے ہیں۔ بلکہ مختلف مقامات میں حالات اور مقامات کی مناسبت سے جس طرح کلام عرب میں مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے اونھیں معانی میں قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے۔

عہ بعض حدیثوں میں بغیر آخری جملہ کے بھی یہ حدیث مذکور ہے اور مناسب بھی یہی ہے کہ اصل حدیث بغیر اس کے ہو اس واسطے کہ یہ تینوں فرقے بطور مثال کے ذکر کیے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے علاوہ بہت سے فاسد مذاہب کا دنیا میں موجود ہونا بدیہی ہے ۱۲

اور ان معانی کو نہ توہم (شیعہ) لکھتے ہیں نہ معتزلہ جن کو جماعت اشاعرہ پیروی حکم عقل اور مخالفت مخالفِ عقل کی وجہ سے نصف شیعہ سمجھتے ہیں بلکہ کچھ تو لوئیس عیسائی صاحب لغت المنجد اور سعید عیسائی صاحب لغت اقرب الموارد نے لکھا ہے اور کچھ رئیس جماعت اشاعرہ یعنی ابن حاجب نے۔ جو فن عربیّت میں امام مانے جاتے ہیں دونوں عیسائی لکھتے ہیں کہ اضلال کا معنی گم کرنا۔ ہلاک کرنا۔ دفن کرنا۔ غائب کر دینا بھاگ جانا۔ گمراہی میں پانا۔ گمراہ کرنا ہے۔ اور لفظ اضلال مصدر ہے باب افعال سے۔ اور ابن حاجب شافیہ میں باب افعال کی خاصیّت میں لکھتے ہیں کہ اس باب کے افعال چند معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ ۱ کسی حالت پر کر دینا۔ اسواسطے اضلال کا معنی گمراہ کرنا ہوگا۔ ۲ معنی مصدر مجرد کے حاصل ہونے کی جگہہ میں ڈال دینا یا لانا جیسے اَبَاعَ کا معنی کسی چیز کو مقام خرید و فروخت میں لانا یا ڈالدینا ہے۔ اس واسطے اضلال کا معنی مقام گمراہی میں لانا یا ڈال دینا ہونا۔ ۳ کسی چیز کا صاحب یا مالک ہو جانا جیسے اَوْلَدَ زَیْدٌ کا معنی زید صاحب اولاد ہو گیا ہے "اس واسطے اضلال کا معنی گمراہ ہونا ہوگا۔ ۴ معنی مصدر مجرد کے زمانہ کا پہونچنا جیسے اَحْصَدَ الزَّرْعُ جس کا معنی یہ ہے کہ زراعت کے کاٹنے کا زمانہ آپہونچا۔ پس اضلال کا معنی زمانۂ گمراہی کا پہونچنا ہوگا ۵ کسی چیز کو کسی صفت پر پاناد جیسے اسمن کا معنی موٹا پایا ہے۔ پس اضلال کا معنی گمراہی پر پانا ہوگا۔ ۶ کسی چیز کو دفع کرنا جیسے اَشْکیٰ کا معنی شکایت کو دفع کیا۔ ہے۔ پس اضلال کا معنی گمراہی کو دفع کیا ہوگا۔

حاصل کلام یہ کہ اس لفظ کے جتنے معانی اوپر ذکر کئے گئے اون میں سے کچھ تو لفظِ اضلال کے مادہ یعنی اصلی حرف ضَلَّ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے ۱ دین یا حق یا راہ سے ہٹ جانا۔ گم ہو جانا۔ چلا جانا۔ بیفائدہ ہونا۔ تلف ہو جانا۔ مرجانا۔ مٹی ہو جانا۔ بھول جانا۔ (المنجد) اور کچھ ہیئت یعنی وزنِ فعل اور خاصیّت باب سے۔ بہر حال ہر معنی خواہ مادہ سے پیدا ہوتا ہو یا ہیئت سے اپنے اپنے مناسب مقام میں مراد لیا جاتا ہے۔ اسی طرح چونکہ الفاظ کو استعمال کرنا اور اون سے معانی کو مراد لینا اہلِ زبان کے استعمال کا تابع ہے اس لئے یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ جس لفظ کو جس باب سے چاہیں استعمال کریں یا کسی باب کی کل خاصیّتوں کو اُن میں جاری کریں۔

کیونکہ ایسے الفاظ بھی بہت ہیں جو بعض باب سے استعمال کئے گئے ہیں اور بعض دوسرے باب سے۔ انکا استعمال صحیح نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اہل زبان کو استعمال کرتے نہیں سنا گیا۔ جیسے لفظ صَلّٰی نماز برپا کیا۔ باب تفعیل سے استعمال کیا گیا ہے اور دوسرے بابوں سے استعمال نہیں کیا گیا اور حالانکہ باب افعال وغیرہ بھی انجام دینے یا حاصل کرنے یا برپا کرنے کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں جو لفظ صَلّٰی میں مقصود ہیں۔ اسی طرح ایسے الفاظ بھی ہیں جن میں بعض خاصیتیں جاری کی گئی ہیں اور بعض نہیں۔ جیسے اکومت الفرس باب افعال سے۔ گھوڑے کو اصیل پانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہی جملہ اسی باب سے "گھوڑے کے اصیل ہونے کا زمانہ آپہونچا" میں استعمال نہیں کیا گیا۔ اسی طرح ہر لفظ کا معنی فاعل کی شان اور حالت کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ ایک معنی جو ایک جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے دوسری جگہ وہی معنی بالکل بے ربط اور نامناسب بلکہ غلط سمجھا جاتا ہے۔ جیسے لفظ صلوٰۃ جو مقام کی مناسبت سے کبھی دعا میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی نماز میں اور کبھی عظمت واجر و ثواب میں اور کبھی رحمت میں آیۂ مبارکہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ (سورۂ احزاب پ۲۲ آیت ۵۶) کی تفسیر میں پیشوایانِ جماعت اشاعرہ یعنی قاضی بیضاوی اپنی تفسیر میں اور ابن اثیر نہایہ میں[1] اور راغب اصفہانی مفردات غریب قرآن میں باختلاف الفاظ لکھتے ہیں[2] کہ صلوٰۃِ خدا حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ کی دنیا میں عظمت اور بزرگی کو بڑھانا ہے اور آپ کے مرتبہ کو بلند کرنا اور ذکر کو پھیلانا اور دعوت کو ظاہر کرنا اور آپ کے دین کو باقی رکھنا۔ اور آخرت میں امت کے حق میں آپ کی شفاعت کو قبول کرنا اور آپ کے اجر و ثواب کو زیادہ کرنا۔ اور صلوٰۃ ملائکہ اور انسان دعائے (رحمت و برکت) اور طلب بخشائش ہے[3]۔ پس جسطرح پیشوایان جماعت اشاعرہ مقام کی مناسبت اور فاعل کی شان اور حالت و قدر و منزلت کے بدلنے سے لفظ صلوٰۃ کے معنی بدلتے رہنے کو تسلیم کرتے ہیں اور خداوند جلیل کی کبریائی اور عظمت و جلالتِ قدر کے لحاظ سے اوس کے

---

[1] نہایہ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ بیان لغت صلا۔ ۱۲ منہ [2] مفردات راغب بر حاشیہ نہایہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۹ بیان لغت صلا۔ ۱۲ منہ

حق میں اس لفظ سے دعا اور طلب مغفرت مراد لینا جائز نہیں جانتے۔ اوسی طرح اسکی عظمت وجلالت وتقدس وپاکیزگی کے لحاظ سے یضل کا معنی گمراہ کرنا یا دوسرا جو معنی کہ اوس کی شان سے مناسبت نہیں رکھتا اوس کے حق میں ہرگز مراد نہیں لیا جا سکتا۔ اور نہ اون غیر مناسب معنی میں اس لفظ کو استعمال کرنا جائز ہو سکتا ہے اور لفظ یہدی جو یضل کا ضد ہے اور اس کے مقابل میں لایا جاتا ہے۔ مقام اور حالت فاعل کے لحاظ سے اوس کا معنی بھی بدلتا رہتا ہے۔ پس جس وقت اسکا فاعل لفظ اللہ واقع ہو تو اوس سے بھی وہی معنی مراد لیا جائے گا جو شان پروردگار حکیم کے مناسب ہو اس واسطے یَهدِی مَن یَّشَاءُ کا معنی "بزور وجبر ہدایت کرنا" خدا کے حق میں غلط ہے بلکہ معنی اوس کا اچھے اور برے راستے کو بتا دینا ہے۔

تنبیہ۔ جو گفتگو ان دونوں لفظوں کے متعلق کی گئی بعینہ وہی گفتگو ہر اوس لفظ کے متعلق بھی جاری ہوگی جسکا کوئی معنی شان پروردگار کے منافی اور مخالف ہو۔ پس اگر کوئی مناسب معنی رکھتا ہو تو وہی معنی مراد لیا جائے گا۔ اور اگر نہ رکھتا ہو تو اوس کی توجیہ اور تاویل کی جائے گی اور مجازی معنی مراد لیا جائیگا۔ کیونکہ عقلی دلیل قطعی ہوتی ہے اور لفظی دلیل ظنی اور قطعی ویقینی دلیل ظنی دلیل سے راجح ہوتی ہے۔ جیسا کہ بتیسویں مقدمہ میں ذکر کیا گیا۔

پنتیسواں[۳۵] مقدمہ

خدا ہر چیز کی قسم کھا سکتا ہے۔ فقہائے کرام رضوان اللہ علیہم تحریر فرماتے ہیں کہ خداوند عالم کے اسم ذات یعنی لفظ اللہ اور صفات ذات میں سے خاص ناموں کے سوا جو دوسروں پر بولے نہیں جاتے۔ کسی غیر کی قسم کھانا صحیح نہیں ہے۔ خواہ انبیا اور ائمہ علیہم السلام کے ناموں سے قسم کھائی جائے یا کعبہ یا قرآن یا اپنے سر یا جان یا باپ یا ماں یا غیر کی۔ اور حدیثیں بھی اس مضمون کی منقول ہوئی ہیں جن میں سے ایک فرمائش حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ ہے جس کو شہید ثانی علیہ الرحمہ نے شرح لمعہ میں نقل فرمایا ہے۔ حضرت ارشاد فرماتے ہیں مَن کَانَ حَالِفًا فَلْیَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ یَذَرْ

یعنی جو شخص قسم کہانا چاہے اوس کو چاہیئے کہ خدا کی قسم کہائے یا قسم ہی نہ کہائے۔
اور ایک حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ہے آپ ارشاد فرماتے ہیں لَا تَحْلِفُوا اِلَّا بِاللّٰہِ یعنی قسم نہ کہاؤ لیکن خدا کی (فصول المہمہ صک۱۱ کتاب الایمان) اور یہ حکم انسان ہی کے لئے ہے۔ لیکن خداوند عالم تو وہ ہر چیز کی قسم کھاسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں لِلّٰہِ اَنْ یُّقْسِمَ مِنْ خَلْقِہٖ بِمَا شَاءَ وَلَیْسَ لِخَلْقِہٖ اَنْ یُّقْسِمُوْا اِلَّا بِہٖ یعنی خدا کو حق ہے کہ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہے قسم کہائے اور اوس کی مخلوقات کیلئے صحیح نہیں ہے کہ قسم کہائیں لیکن اوسی کی (فصول المہمہ بہ نشان بالا) اگرچہ اکثر احکام پروردگار توقیفی ہیں جن میں عقل کو دخل نہیں ہے۔ لیکن ممکن ہے یہ کہا جائیگا کہ انبیاء اور اوصیاء اور کعبہ اور قرآن کی قسم سے بھی ممانعت اس بات کو ظاہر کررہی ہے کہ قسم اوس کی کھانا چاہئے جو قسم کہانیوالے کے کل بڑوں سے بڑا ہو۔ اور چونکہ خدا سے بڑا کوئی نہیں ہے اور کل اوس کے بندے ہیں اس لئے اوس کو اپنے قسموں میں کسی خاص نام کی پابندی نہیں ہے۔
نتیجۂ کلام۔ پس قرآن مجید میں شمس و قمر و تین و زیتون۔ و لیل و نہار و قلم وغیرہ کی جو قسمیں پائی جاتی ہیں وہ اوس حکم کلی سے باہر ہیں جو انسان کے لئے شریعت میں بیان کیا گیا ہے

چھبیسواں مقدمہ

دنیا کے مشہور مذاہب کی جانچ پڑتال۔ یوں تو دنیا میں مذاہب بہت ہیں سب کے مقابل میں گفتگو کرنا بہت دشوار ہے اور بہت زیادہ وقت اور محنت چاہتا ہے۔ علاوہ اس کے ہر مذہب سے تعرض کرنے کی ہم کو ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر کو ہمارے مذہب سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اس واسطے ہم اونھیں مذہب کے مقابل میں اس تفسیر میں گفتگو کرینگے اور یہاں پر اونھیں مذاہب کی حقیقت کو جانچینگے جو ہمارے مذہب سے غرض رکھتے اور نوک جھونک چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں جیسے ع۱ دہریہ اور نیچریہ ع۲ عیسائی ع۳ آریہ۔ ع۴ قادیانی ع۵ اہل قرآن ع۶ اہلسنت حنفی خواں یا وہابی۔

دہریہ چونکہ خدائی قانون کو نہیں مانتے اور خدا کے موجود ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے اور حلیت عامہ یعنی ہر چیز کے جائز اور حلال ہونے کے معتقد ہیں اس لئے قبل اس کے کہ ہم اونکے مذہب کو جانچیں اور اوس کی صحت اور فساد سے گفتگو کریں اس امر کو ذکر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ دیوانے اور بیعقل گفتگو اور تخاطب کے لائق نہیں سمجھے جاتے بلکہ تخاطب کے لائق وہی سمجھے جاتے ہیں جو عقلمندوں کے زمرہ میں داخل ہوں۔ خواہ اون کی بحث و گفتگو کا انداز مذہبی قوانین کے اندر ہو یا صرف عقلی دلیلوں کی حد میں۔ بہرحال اون کا صاحب عقل ہونا ضروری ہے۔ اور حلیت عامہ تین وجہوں سے عقلی چیز نہیں ہے۔ بلکہ عقل اوس کی بدی پر شاہد اور اوس کی قباحت پر حکم کر رہی ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ حلیت عامہ پر عمل کرنے سے ایسے مفاسد درپیش ہوتے ہیں جو عمل کرنیوالوں کے لئے عذاب جان اور آفت عزت و مال ہو جاتے ہیں اور عقل ان مفاسد کو دشمنی کی نگاہ سے دیکھتی ہے دیکھو۔ حلیت عامہ کے افراد سے چوری۔ ڈکیتی۔ زنا بجبر۔ قتل نفوس وغیرہ بھی ہیں۔ اور تم آئے دن ان جرائم میں مبتلا ہونیوالوں کا انجام دیکھتے رہتے ہو کہ کیا ہوتا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ یہ حلیت اگر عقلی چیز ہوتی تو دنیا کے عام عقلاء یا کم سے کم وہ جنگلی اور صحرائی قومیں جو دین و مذہب سے خبر نہیں رکھتیں اس کی خوبی میں ان دہریوں کے ہمخیال اور ہم آواز ہوتیں۔ جرائم پیشہ اگرچہ اون جرائم کو اپنے حق میں مفید اور اپنی خواہش کے مطابق پاکر کر گذرتے ہیں لیکن اوس کی واقعی بدی یا خوبی کو سمجھنے کی اچھی کسوٹی یہ ہے کہ وہ سوچیں کہ اگر وہی جرائم اون کے ساتھ برتے جائیں تو اون کا نفس کیا کہے گا۔ تیسرے۔ اس وجہ سے کہ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ حلیت عامہ جانوروں کی فطرت اور بہیمی قوت کا اقتضا ہے۔ پس جو لوگ اس اقتضاء میں جانوروں کے شریک حال ہیں بتائیں کہ وہ اپنی محرم[1] اور غیر محرم عورتوں میں کوئی فرق سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اگر سمجھتے ہیں تو کس قانون کی رو سے اور صاحب قانون کون ہے؟ کیونکہ حلیت عامہ کو اگرچہ عقل بھی ناجائز بتاتی ہے لیکن جائز اور ناجائز افراد کی تعیین صرف مذہبی چیز ہے اور اگر فرق نہیں سمجھتے تو درمیان اپنے اور بیعقل جانوروں کے فرق بتائیں۔ اور غیر ذوی العقول کے زمرہ

---

[1] جیسے ماں بہن بیٹی۔ خالہ۔ پھوپھو وغیرہ ١٢

اپنے باہر ہونے اور ذوی العقول سے ہونے کی صحیح وجہ بیان کریں تاکہ لائق تخاطب سمجھے جائیں اور اون سے بحث وگفتگو کا دروازہ کھولا جائے۔ ورنہ مرفوع القلم اور لا یعقل قرار پاکر مستحق جواب وسوال باقی نہ رہینگے۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ اس بارے میں کسی قانون کے زیر اثر ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر ہوتے ہیں تو اس قانون کو بیان کریں تاکہ ہم اوس کی حقیقت اور بطلان کو جانچیں اور بحث کا عنوان معین کریں۔

لطیفہ۔ ایک نیچری صاحب کی لڑکی کی شادی تھی مولوی کے بلانے کا ونھوں نے حکم دیا ہم نے کہا کہ جب آپ کا مذاق یہ ہے کہ حرام چیز بسم اللہ کہہ کے ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوسکتی اور حلال چیز بغیر بسم اللہ کہے مارڈالنے سے حرام نہیں ہوتی تو اسی طرح عورتیں بھی ہیں جو حلال ہیں وہ بغیر نکاح کے حرام نہ ہوں گی اور جو حرام ہیں وہ نکاح پڑھنے سے حلال نہیں ہوسکتیں تو مولوی کی کیا ضرورت ہے۔ اوس غیرت دار نے جواب دیا کہ ہے تو ایسا ہی لیکن ہم رسم ورواج سے مجبور ہیں۔

عیسائی۔ گو عیسائی مذہب بھی دنیا کے کثیر الافراد اور کثیر الاتباع مذاہب میں داخل ہے لیکن نہ تو کسی مذہب کی حقیقت کا معیار اوس کے ماننے والوں کی کثرت اور پابندی مذہب ہے اور نہ اوس کے بطلان کی دلیل اوس کے پیروؤں کی کمی یا کجروی اور مخالف مذہب روش ہے بلکہ درحقیقت اوس مذہب کا نقائص عقلیہ سے پاک ہونا اور اوس کی مقدس کتابوں کا اختلاط اور انسانی کلام کے میل اور ایزادی تصرف سے محفوظ ہونا اوس کی صحت وسلامتی کی دلیل ہے۔

اور عیسائی مذہب کی مقدس کتابوں یعنی توریت وانجیل اور بزرگان مذہب یعنے انبیاء واوصیاء کے حق میں خود انھیں کی شہادتوں اور تحریروں میں جو مضامین نظر سے گذرے ہیں وہ ان کی بے اعتباری اور نقائص ہی کو ثابت کررہے ہیں۔

توریت کی بے اعتباری جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وے تمام ہوئیں تو موسیٰ نے لاویوں کو جو خداوند کے عہد کے صندوق کو اوٹھاتے تھے۔ فرمایا کہ اس شریعت کی کتاب کو لیکے اپنے خدا کے عہد کے صندوق کے آیا بغل میں رکھو

ــــــــ

لے توریت کتاب استثناء باب ۳۱ - درس ۲۴ تا ۲۶ - ۱۲

لیکن حضرت موسیٰ[۱] کی یہ تحریریں ضائع ہوگئیں۔ چنانچہ جب حضرت سلیمان نے اُس صندوق کو کھولا تو صرف دو لوحیں ملیں جیسا کہ کتاب سلاطین سے معلوم ہوتا ہے۔ اور صندوق میں کچھ نہ تھا سوا پتھر کی اُن دو لوحوں کے جنھیں موسیٰ نے حورب پر اوس میں رکھا[۱]۔ حضرت سلیمان کے بعد بنو اسرائیل کبھی بُت پرست ہوئے اور کبھی شریعتِ حضرت موسیٰ کے پیرو۔ اسی وجہ سے توریت کا باقیماندہ حصّہ بھی تلف ہوگیا۔ منسّا یا منسی کے عہدِ حکومت میں خود بیت المقدس میں بُت رکھے گئے۔ یوسیاہ بن آموں بادشاہ بنی اسرائیل نے اپنے آغازِ حکومت میں توریت کی تلاش شروع کی لیکن کچھ پتہ نہ ملا۔ اس کے اٹھارہ سال بعد خلقیاہ کاہن نے ایک نسخہ توریت کے نام سے اُس بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ جس کو اُس نے بدونِ تحقیق قبول کرلیا[۲]۔ یہویقیم کے عہدِ حکومت میں بخت نصر شاہِ بابل جس کو کتاب سلاطین دوم باب ۲۴ درس اول میں بنوکدنصر لکھا ہوا ہے بنو اسرائیل پر چڑھائی کی اور یہویقیم کو گرفتار کر کے لیگیا[۳]۔ اور بیت المقدس میں آگ لگا دی۔ سب سامان وہاں کا جل گیا۔ اور توریت بھی تلف ہوگیا[۴]۔ تو حضرت عزیر نبی نے بہت محنت اور کوشش سے توریت مقدس کو از سرِ نو ترتیب دیا[۵]۔ لیکن بادشاہ اینٹی ڈوکس ایپی فینیس نے ۱۶۱ سنہ قبل حضرت مسیح جب شہر یروشلم پر چڑھائی کی تو شہر کو خوب لوٹا اور بیت المقدس کو اچھی طرح برباد کیا۔ اُس کا موجودہ سامان مع کتبخانہ کے جلایا گیا۔ اور حکم دیا کہ جس کے پاس کوئی کتاب توریت کی نکلے گی یا کوئی شخص شریعتِ موسوی پر عمل کریگا وہ قتل کیا جائیگا[۶]۔ ملنر کا تہلک اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۶۲ع مقام لندن صفحہ ۱۱۵ میں لکھتا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اصل توریت اور اسی طرح اصل نسخے اور اصلی صحائف انبیاء بنی اسرائیل کے بخت نصر کے ہاتھوں شہر یروشلم اور ہیکل کی بربادی کے وقت جاتے رہے اور نقلیں اُن کی بطفیل عزرا (حضرت عزیر) پھر ہم

ف۱ توریت کتاب سلاطین اول باب ۸ درس ۹۔ ۱۲ منہ ف۲ خیر الکلام فی احوال العرب والاسلام ص۷۵ مصنفہ مولوی عبد الحی صاحب وکیل ۱۲ منہ ف۳ خیر الکلام ص۷۶ و توریت کتاب دوم سلاطین باب ۲۴ درس ۱۔ ۱۲ منہ ف۴ خیر الکلام ص۷۶ و توریت [illegible] کتاب دوم سلاطین باب ۲۵ درس ۸ تا ۱۱ لیکن توریت میں بیت المقدس کے جلانے کا واقعہ یہویقیم کے مارے جانے کے بعد اسکے بھائی صدقیاہ کے عہد میں لکھا ہے۔ ف۵ خیر الکلام ص۷۶ ۱۲ منہ ف۶ خیر الکلام ص۷۶ بحوالہ کتاب اول مقابیس باب اول۔ یہ کتاب توریت کا ایک حصہ ہے جو نکال دیا گیا ۱۲ منہ

توریت کے تالیفِ غیر ہونے کا ثبوت۔ اگر آپ پوری توریت کو پڑھ جائیں تو کہیں پر بھی حاکم و محکوم کے طرزِ بیان کی جھلک نہ پائیں گے۔ نہ تو کہیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ اے موسیٰ میرے بندوں سے فلاں فلاں بات کہو یا اُن کو یہ حکم دو۔ اور نہ کہیں یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے بیان کیا ہو کہ میرے پروردگار کا فلاں فلاں حکم اس طرح ہے بلکہ پوری کتاب کی عبارت صاف صاف بتا رہی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی سرگذشت اور قصے اور اُن کی اور خدا کی باہمی گفتگو کو کسی دوسرے شخص نے بحیثیت ایک مورخ ہونے کے نقل کیا ہے۔ اگرچہ اس کتاب میں کل انبیاء کے قصّوں اور حالات کے متعلق بھی طرزِ ادا وہی ہے جو حضرت موسیٰؑ کے متعلق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری توریت پادریوں کی منگھڑت ہے۔ لیکن اگر انبیاء ماسبق کے متعلق یہود و نصاریٰ یہ جواب دیں کہ اُن کے حالات کو حضرت موسیٰؑ نے بیان کیا ہے تو خود حضرت موسیٰؑ کے حالات کے متعلق کیا جواب دے سکتے ہیں۔ اور جب اُن کے متعلق کوئی معقول جواب نہیں دے سکتے اور سیاقِ بیان کل انبیاء کے متعلق ایک ہی ہے تو جس طرح حضرت موسیٰؑ کے حالات کسی دوسرے کا بیان سمجھے جائیں گے اوسی طرح انبیاء ماسبق کے حالات بھی۔ اب ہم چند مثالیں ایسی بیان کرتے ہیں جو توریت کے تحریرِ غیر ہونے کا عین ثبوت ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ اور موسیٰؑ اپنے سُسرے تیرو کے جو مدیان (مدائن) کا کاہن تھا گلّے کی نگہبانی کرتا تھا۔ تب اوس (موسیٰؑ) نے گلّے کو بیابان کی ایک طرف ہانک دیا۔ اور خدا کے پہاڑ حورب کے نزدیک آیا[۱]۔ اور جس وقت ان دونوں (موسیٰ و ہارون) نے فرعون سے گفتگو کی موسیٰؑ اسّی برس اور ہارون تراسی برس کا تھا[۲]۔ جب موسیٰ یہوا (یعنی خدا) کے آگے جاتا کہ اوس سے کلام کرے تو نقاب اوٹھا دیتا تھا یہاں تک کہ وہاں سے باہر آتا۔ اور جب باہر آتا تو جو کچھ اُس نے حکم کیا ہوتا سو وہ بنی اسرائیل سے کہتا[۳]۔ عمرام (عمران) کی جورو کا نام یوکبد تھا لاوی کی بیٹی۔ جسے اُس کی ماں لاوی مصر میں جنی۔ سو عمران سے ہارون اور موسیٰؑ اور ان کی بہن مریم کو جنی[۴]۔

---

[۱] کتاب خروج باب ۳ درس ۱ و ۲ - یہ کتاب حضرت موسیٰ کی دوسری کتاب کہلاتی ہے ۱۲ - [۲] کتاب خروج باب ۷ درس ۷ - ۱۲ منہ - [۳] کتاب خروج باب ۳۴ درس ۳۴ و ۳۵ - ۱۲ منہ [۴] کتاب گنتی باب ۲۶ - درس ۵۹ - ۱۲ - منہ -

موسیٰؑ نے وہ سب باتیں بنی اسرائیل کو کہیں مطابق اس سب کے کہ خداوند نے اُسے حکم دیا تھا کہ انھیں کہے۔ بعد اوس کے کہ اس نے اموریوں کے بادشاہ سیحون کو جب حسبون میں رہتا تھا اور بسن کے بادشاہ عوج کو جو عسارات میں رہتا تھا اور اعی میں قتل کیا۔ تب یردن کے اس پار موآب کے میدان میں موسیٰؑ نے اس شریعت کو بیان کرنا شروع کیا[۱]۔ سو خداوند کا بندہ موسیٰؑ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مرگیا۔ اور اوسنے اُسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا۔ پر آج کے دن تک کوئی اوس کی قبر کو نہیں جانتا[۲]"۔

کیا کوئی عاقل اور انصاف ور یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ مطالب حضرت موسیٰؑ کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں۔ ہم نے رامائن۔ سری مد بھاگوت۔ مہا بھارت وغیرہ کتب ہنود کو اچھی طرح پڑھا ہے اور ان کتابوں کے خیالی قصّوں اور بے سر و پا حکایتوں کی خوب سیر کی ہے۔ ہم کو درمیانِ مضامینِ کتبِ مذکور، اور مضامینِ توریت کے کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ جس طرح پنڈتوں نے ہندو گواروں کی دلبستگی کے لئے بے تکان خیالی گھوڑے دوڑائے ہیں۔ توریت بنانے والے پادریوں کے خیالی گھوڑوں کی بے تُک رفتار اُن سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہوتی۔ آسمانی کتاب کے نام سے ڈھانچہ تو تیار کیا لیکن نباہ نہ سکے۔

انجیل کی بے اعتباری کا ثبوت۔ پادری ممفرڈ لکھتے ہیں کہ یہ کتابیں جن میں حضرت مسیح کو ناصری کہا گیا تھا اور جن کا ذکر متی نے باب ۲ درس ۲۳ میں لکھا ہے نیست و نابود ہو گئی ہیں۔ اس لئے کہ جو کتابیں نبیوں کی اب موجود ہیں کسی میں حضرت عیسیٰؑ کو ناصری نہیں لکھا ہے[۳]۔ اور متی کی انجیل کی عبارت یہ ہے "اور خواب میں ہدایت پاکر (عیسیٰؑ) گلیل کے علاقہ کو روانہ ہو گیا اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا پورا ہو کہ وہ (عیسیٰؑ) ناصری کہلائے گا۔" (انجیل متی باب ۲ درس ۲۳) صاحب کتاب استفسار لکھتے ہیں کہ میں نے ایک بڑے عالم یہودی سے کہا کہ میں نے ساری بیل

---

[۱] کتاب استثنار باب ۱ درس ۳ و ۴ و ۵ ۔ ۱۲ منہ [۲] کتاب استثنار جو حضرت موسیٰؑ کی پانچویں کتاب سمجھی جاتی ہے باب ۳۴ درس ۵ و ۶ ۔ ۱۲ منہ [۳] خیر الکلام صفحہ ۸۱ بحوالہ کتاب پادری ممفرڈ مطبوعہ ۱۸۴۲ء مقام لندن ۱۲ منہ

پہونچیں جو انٹوکس (انٹی ڈوکس) کے حادثہ میں تلف ہوگئیں۔[۱] کرینر اسٹم اپنی ہوملی میں لکھتا ہے کہ پیغمبروں کی بہت سی کتابیں ناپید ہوگئیں۔ اس لئے کہ یہودیوں نے غفلت سے بلکہ بیدینی سے بعض کتابوں کو کھو دیا۔ بعض کو پھاڑ ڈالا بعض کو جلادیا۔[۲]

ہارن صاحب لکھتے ہیں کہ عہدِ عتیق کی کتابیں در اصل عبرانی زبان میں ہیں اور وہ دو ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔ ایک تو اٹو گرافس (یعنی وہ جن کو خود صاحب الہام نے الہام سے لکھا تھا) ان میں کے سب نسخے ناپید ہوگئے ہیں کوئی بھی موجود نہیں۔ دوسرے آپوگرافس (یعنی اصلی نسخوں کی نقلیں) اُن کی دو قسمیں تھیں۔ ایک قدیم جو یہودیوں میں بہت معتبر مانی جاتی تھیں۔ اون کو زمانہ نے معدوم کردیا۔ دوسری نئی جو سرکاری یا خانگی کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے معابد کے کام میں آنے والی علیحدہ اور عام لوگوں کے استعمال میں آنے والی علیحدہ ہیں۔[۳]

اس امر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ توریت کے اصلی وارث اور پہلے پیرو اور اس سے پورے واقفکار یہودی ہیں۔ ہارن صاحب کے بیان سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

۱۔ یہ کہ توریت کے اصلی نسخے جو خود حضرت موسیٰ کے لکھے ہوئے تھے دنیا سے ناپید ہوگئے۔

۲۔ یہ کہ اُس کی قدیم نقل جو یہودیوں کے نزدیک معتبر تھی وہ بھی معدوم ہوگئی۔

۳۔ یہ کہ اب جو توریت مروّج ہے وہ یہودیوں کے نزدیک غیر معتبر ہے۔

۴۔ یہ کہ یہ نئی غیر معتبر نقل بھی دو طرح کی ہے۔ ایک معابد کے کام کی۔ دوسرے عام لوگوں کے کام کی۔

حاصل یہ کہ موجودہ توریت کے نسخے ایک تو غیر معتبر ہیں۔ دوسرے باہم مختلف۔

محققین اہل کتاب اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ دسویں صدی عیسوی سے پہلے کا لکھا ہوا کوئی نسخہ مجموعۂ توریت کا دنیا میں موجود نہیں ہے۔ ایم۔ ڈی۔ راسی نے تمام قلمی نسخوں کو باعتبار زمانہ کے تین قسموں پر منقسم کیا ہے۔ اوّل بہت پرانے یعنی بارہویں صدی سے

---

[۱] خیر الکلام ص۹۱ ۱۲ منہ [۲] خیر الکلام ص۹۱ چھاپہ رنگین پریس دہلی ۱۲۔ منہ [۳] خیر الکلام ص۹۲ بحوالہ کتاب انٹروڈکشن لوڈی گریکل اسٹڈی آف دی اسکرپچر جلد ۲ حصہ ۱۔ باب ۲ فصل ۱ مطبوعہ ۱۸۲۵ء لندن ۱۲۔ منہ

یہ بھی حواری ہی نہ تھا نہ حضرت عیسیٰ کی صحبت پائی تھی۔ اس نے اپنی انجیل ۵۶ء اور ۶۵ء کے درمیان لیٹن (لاطینی) زبان میں لکھی تھی جس سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا۔

یوحنا کی انجیل اور مکاشفات اور خطوط۔ استاڈلن کہتا ہے کہ یوحنا کی انجیل بیشک کسی طالب العلم اسکندریہ کی لکھی ہوئی ہے۔

ہارن صاحب نے اپنی مشہور کتاب میں لکھا ہے کہ فرقہ ایوجین نے اس انجیل اور یوحنا کی دوسری تصنیفات سے قطعی انکار کیا ہے۔

برشیڈر کہتا ہے کہ یہ انجیل اور یوحنا کے خطوط یوحنا کی تصنیف نہیں ہیں دوسری صدی میں ان کے نام سے کسی نے لکھ دئیے ہیں۔

پولوس کے خطوط۔ اس کا اصلی نام ساؤل تھا مذہب کا یہودی اور حضرت عیسیٰ کا سخت مخالف تھا۔ اور ہمیشہ درپئے تخریب مذہبِ عیسائی رہتا تھا۔ بعد اس کے کسی مصلحت سے مذہبِ عیسوی قبول کر کے ظاہر کیا کہ مجھ پر روح القدس نازل ہوئے۔ اور اپنی حکمتِ عملی سے فرقہ نصاریٰ کا بہت بڑا سرگروہ بن گیا۔ اوس نے مذہب عہ۵ عیسوی سے شریعت کی کل قیدیں اُٹھا دیں اور اطاعتِ شریعتِ موسوی سے عیسائیوں کو کلیتہً آزاد کر دیا۔

یوسی بیس اپنی تاریخ کلیسا کی چھٹی جلد باب ۲۵ میں لکھتا ہے کہ۔ اورجن شرح انجیل کی پانچویں جلد میں بیان کرتا ہے کہ پولوس نے کل گرجوں کو کچھ لکھ کے نہیں بھیجا۔ مگر بعض کو جو لکھا تو عہ۵ دو چار سطر عبارت۔

(کتاب اعمال) فرقہ ولن ٹی نیس و مارسیونی و سویرنیس نے کتاب اعمال سے انکار کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لوقا کی تصنیف ہے جس کا غیر الہامی ہونا مسلم ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ اس کتاب کو یوحنا یا پولوس نے نہیں دیکھا۔

پطرس و یہودا و یعقوب کے خطوط۔ یوسی بس نے اپنی تاریخ کلیسا کی تیسری جلد کے تیسرے باب میں

عہ۵ کیونکہ اس مذہب کی تخریب کی فکر میں تھا اور ظاہر ہے کہ انسان جس قدر اپنوں سے دھوکا کھا سکتا ہے دوسروں سے نہیں کھا سکتا اور اپنا اور دوست بنکر کوئی جتنا نقصان پہونچا سکتا ہے۔ دشمن اور غیر بن کر نہیں پہونچا سکتا

عہ۵ حالانکہ انجیل میں پولوس کی طرف نسبت دیکر جو تیرہ خطوط مندرج ہیں وہ سب ۸۰ صفحوں پر مشتمل ہیں۔ پس اورجن کے بیان کی بناء پر یہ کل خطوط جعلی اور جعلیہ ٹھہرتے ہیں۔ علاوہ اسکے کہ خود پولوس دشمنِ مذہبِ عیسوی اور غیر معتبر شخص تھا۔

لکھا ہے کہ پطرس کا ایک خط سچا اور دوسرا جھوٹھا ہے۔ اور اسی کتاب کے باب پچیس [25] میں لکھا ہے
کہ یعقوب اور یہودا کے کل خطوط اور یوحنا کے دوسرے اور تیسرے اور پطرس کے دوسرے
خط کی نسبت گفتگو ہے کہ آیا یہ انجیل نویسوں کے لکھے ہوئے ہیں یا کسی اور شخص کے۔
عبرانیوں کے نام کا خط۔ نامۂ عبرانیان کی نسبت اوس کا قول ہے کہ یہ خط کلمنٹ
نے جو روم کا بشپ تھا لکھا ہے۔

(اکثر خطوں کی یکجائی قدح) منجملہ رسائلِ مذکورہ بالا نامۂ عبرانیان اور نامۂ یعقوب اور
نامۂ یہودا۔ اور نامۂ دوم پطرس اور نامۂ دوم و سوم یوحنا اور مکاشفات یوحنا کو کونسل کارتہیج
نے ۳۹۷ء میں جبراً الہامی اور تصنیفِ حواریان قرار دیا۔ اسی کونسل نے کتاب جوڈتھ و
کتاب طوبیاس و کتاب وزڈم وغیرہ کو الہامی قرار دیا۔ جنکو زمانۂ حال کے علماء نصاریٰ
فرقۂ پروٹسٹنٹ نے غلط اور غیر معتمد و ناقابلِ تعمیل قرار دیا ہے [لہ]

یہودا اور پطرس حواری اور دیگر بزرگانِ مذہب نصاریٰ کی بے اعتباری

یہودا [عہ] کی بے ایمانی۔ اس وقت ان بارہ [عہ] میں سے ایک نے جسکا نام یہوداہ اسکریوتی
تھا سردار کاہنوں کے پاس جاکر کہا کہ "اگر میں اُسے یعنی (حضرت عیسیٰؑ کو) تمھارے حوالے
کرادوں تو مجھے کیا دوگے؟ اُنھوں نے اوسے تیس [عہ] روپئے تول کردیئے ۱۵ اور وہ
اُسی وقت سے اوس کے (یعنی حضرت عیسیٰؑ کے) پکڑوانے کا موقع ڈھونڈھنے لگا [للعہ] ۱۶۔ تب
(عیسیٰ علیہ السلام نے) شاگردوں کے پاس آکر اُن سے کہا کہ اب سوتے رہو اور آرام کرو۔
دیکھو وقت آپہونچا ہے اور ابنِ آدم گنہگاروں کے ہاتھ میں حوالے کیا جاتا ہے ۴۵ اٹھو چلیں۔
دیکھو میرا پکڑوانے والا نزدیک آپہونچا ہے۔ وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ یہوداہ جو ان بارہ (شاگردوں)
میں سے ایک تھا آیا۔ اور اُسکے ساتھ ایک بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے ہوئے سردار

لہ خیر الکلام ص ۹۹ تا ۱۰۲ منتخب بقدر حاجت ۱۲ منہ عہ مرقس باب ۱۴ درس ۱۰ و ۱۱ لوقا باب ۲۲ درس ۳ و ۶

عہ یہ سرخی خود توریت میں ہے اور حاشیہ ملہ میں مرقس اور لوقا کی انجیل میں جس مقام پر یہ مضمون ہے اس کا پتہ دیا ہے ۱۲ منہ

عہ یعنی حضرت عیسیٰ کے بارہ حواری یعنی شاگردوں میں سے ایک نے۔ ۱۲۔ عہ شاگرد نے تیس روپیہ کیلئے استاد کو سولی پر چڑھوایا ۱۲

للعہ انجیل متی باب ۲۶ درس ۱۴ تا ۱۶ - ۱۲ منہ

کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے آپہونچی ۵ - اور اُسکے (حضرت عیسیٰؑ کے) پکڑوانے والے
(یہوداؔ) نے اُنھیں یہ پتا دیا تھا کہ جس کا میں بوسہ لوں وہی ہے اُسے پکڑ لینا - اور فوراً یسوع
(یعنی عیسیٰؑ) کے پاس آکر کہا - اے ربی سلام اور اوس کے بوسے لئے ۵ - یسوع (یعنی عیسیٰؑ)
نے اُس سے کہا میاں جس کام کو آیا ہے وہ کرلے - اس پر اُنھوں نے پاس آکر یسوع پر
ہاتھ ڈالا اور اُسے پکڑ لیا - اس پر سارے شاگرد اُسے (یعنی حضرت عیسیٰؑ کو) چھوڑ کر بھاگ گئے ۵[۵۶]
پطرس - (درس ۵۴ تا ۵۶ اوپر پورا مذکور ہوا اسکے بعد بقدرِ حاجت چن چن کر مطالب لکھے
جائیں گے) - درس ۵۷ اور یسوع کے پکڑنے والے اسکو کائفا نام سردار کاہن کے
پاس لیگئے جہاں فقیہہ اور بزرگ جمع ہوگئے تھے ۵[۵۸] - اور پطرس فاصلے پر اُسکے پیچھے پیچھے
سردار کاہن کے دیوان خانہ تک گیا اور اندر جاکر پیادوں کے ساتھ نتیجہ دیکھنے کو
بیٹھ گیا - ۵[۶۴] بلکہ میں (عیسیٰؑ) تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابنِ آدم کو (یعنی مجھ کو) قادر
مطلق کے دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھوگے ۵[۶۵] اس پر سردار کاہن
نے یہ کہکر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اُس نے کفر بکا ہے - اب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت
رہی - دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہے تمھاری کیا رائے ہے ۵[۶۶] اُنھوں نے جواب میں
کہا وہ قتل کے لائق ہے ۵[۶۷] اِس پر انھوں نے اوس کے (یعنی حضرت عیسیٰؑ کے) مُنہ پر
تھوکا اور اُس کے مُکّے مارے اور بعض نے طمانچے مار کر کہا ۵[۶۸] اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا
کہ کس نے تجھے مارا ۵[۶۹] اور پطرس باہر صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک لونڈی اُس کے پاس
آکر بولی تو بھی یسوع گلیلی کے ساتھ تھا ۵[۷۰] اُس نے سب کے سامنے یہ کہہ کر انکار کیا کہ
میں نہیں جانتا تو کیا کہتی ہے ۵[۷۱] اور جب وہ ڈیوڑھی میں چلا گیا تو دوسری نے اُسے
دیکھا اور جو وہاں تھے اُن سے کہا یہ بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا ۵[۷۲] اوس نے
(یعنی پطرس نے) قسم کھاکر پھر انکار کیا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا ۵[۷۳] تھوڑی دیر کے

ع۵ حضرات اہلسنت جنگ بدر وحنین واُحد وغیرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس مضمون کو غور سے پڑھیں اور حضرت سرورِ عالم
کی فرمائش کو یاد کریں جو آپ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ تم یہود و نصاریٰ کی پیروی کروگے یہاں تک کہ وہ اگر گوہ
کے سوراخ میں جائیں تو تم بھی اُس میں سما جاؤگے (صحیح بخاری باب لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ ذکر اعتصام بکتاب و سنت
جلد ۴ ص۱۷۶ چھاپہ مصر ۱۳۱۲ھ) ۵؎ انجیل متی باب ۲۶ درس ۴۵ تا ۵۶ - ۱۲ منہ

بعد جو وہاں کھڑے تھے انھوں نے پطرس کے پاس آکر کہا کہ بیشک تو بھی ان میں سے ہے کیونکہ تیری بولی سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔[1] اور (حاکم نے) یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالے کیا تاکہ صلیب (سولی) دیجائے۔[2]

(گیارہ حواری) متی کی انجیل باب ۲۶ درس ۴۵ تا ۵۶ سے جو قبل اس کے مذکور ہوا یہودا کی بے ایمانی اور دغابازی وغیرہ معلوم ہوئی۔ اور درس ۵۷ تا ۷۴ سے جو قبل اس کے ذکر کیا گیا پطرس کی بددیانتی ثابت ہوئی۔ اور درس ۵۶ سے جو ذکر گیا باقی دس حواریوں کا حضرت عیسیٰؑ کو چھوڑ کر بھاگ جانا معلوم ہوا۔

اب حضرت مرقس گیارہ حواریوں کی جن میں یہودا اور پطرس بھی داخل ہیں بداعتقادی اور سخت دلی کو بیان فرماتے ہیں۔ "پھر پیچھے وہ (عیسیٰؑ) ان گیارہ کو بھی جب کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا۔ اور ان کی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ملامت کی"۔ (انجیل مرقس باب ۱۶ درس ۱۴) ان مضامین کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی عیسائی صاحب ان حواریوں کو جنکو ان کے مرشد نے بداعتقاد اور سخت دل اور بے ایمان بتایا ہو صاحب الہام اور لائق اعتبار مان سکتے ہیں۔

(حضرت ہارونؑ) خروج کی کتاب باب ۳۲ درس ۴ میں حضرت ہارونؑ کی نسبت لکھا ہے کہ معاذ اللہ انھوں نے سونے کا بچھڑا (گائے کا بچہ) ڈھالا اور اس کی صورت حکاکی کے ہتھیار سے درست کی اور بنی اسرائیل سے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے اور ایک قربانگاہ بنا کر منادی کرائی کہ بنی اسرائیل اس پر قربانی چڑھائیں۔ اور اسکو پوجا یا۔ اور درس ۲۴ میں لکھا ہے کہ حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ میں نے سونا آگ میں ڈالا تو ڈھلا ہوا بچھڑا نکلا۔ ان مضامین سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ خود حضرت ہارونؑ نے بنو اسرائیل کے لئے گائے بنا کر اسکو انکا معبود بتایا۔ اور پرستش کرائی۔ دوسرے یہ کہ معاذ اللہ جھوٹ بولے۔ کیونکہ حکاکی کے ہتھیار سے خود اس کی صورت گڑھی اور حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ آگ میں سے ڈھلا ہوا نکلا ہے۔

---

[1] انجیل متی باب ۲۶ درس ۷۰ تا ۷۴-۱۲ منہ [2] انجیل متی باب ۲۷ درس ۲۶-۱۲ منہ

اگر یہ باتیں غلط ہیں تو توریت بے اعتبار ثابت ہوتی ہے اور خرافات اور توہین انبیاء کا مخزن۔ اور اگر صحیح ہیں تو جس مذہب کے انبیاء بُت پرستی کو رواج دینے والے ہوں وہ مذہب صحیح باقی نہیں رہتا۔

(حضرت یعقوبؑ) کتاب پیدائش کے ستائیسویں باب میں لکھا ہے کہ جب حضرت اسحاق (اسحاق نبی) کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی اور اپنے بڑے بیٹے عیسو (عیص) کو بلایا کہ ان کے حق میں برکت کی دعا کریں تو حضرت یعقوب نے عیسو کے کپڑے پہنکر حضرت اسحاق سے دو تین دفعہ کہا کہ عیسو آپ کا بڑا بیٹا میں ہی ہوں۔ جب حضرت اسحاق نے ان کو برکت دیدی اور عیسو آئے اور برکت مانگی تو حضرت اسحاق نے کہا کہ تیرا بھائی دغا سے آیا اور تیری برکت لیگیا۔

اس مضمون سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک حضرت یعقوبؑ کی دھوکھا بازی اور دغابازی۔ دوسرے جھوٹھا ہونا معاذ اللہ۔ اور ظاہر ہے کہ جس مذہب کے انبیاء جھوٹھے اور دغاباز ہوں وہ مذہب اعتبار کرنے کے لائق بھی نہیں ہے پیروی تو بڑی چیز ہے۔

(خدا کی کشتی اور لاعلمی) کتاب پیدائش باب ۳۲ درس ۲۴ تا ۳۰ میں لکھا ہے کہ حضرت یعقوبؑ سے ایک شخص رات بھر کشتی لڑتا رہا لیکن یعقوبؑ مغلوب نہ ہوئے اُس نے یعقوبؑ سے کہا کہ اب صبح ہوتی ہے مجھے جانے دے تو یعقوبؑ نے کہا کہ تو جبتک برکت نہ دیگا جانے نہ دونگا۔ اُس نے اُن کا نام پوچھا۔ جواب دیا کہ یعقوب۔ کہا آگے تو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا۔ اور برکت دی۔ یعقوبؑ نے کہا کہ میں نے خدا کو روبرو دیکھا۔ اور باب ۳۵ درس ۹ و ۱۰ میں ہے کہ خدا یعقوب کو پھر دکھائی دیا اور برکت بخشی اور اسرائیل نام رکھا۔

اس مضمون سے چند باتیں معلوم ہوئیں ۱۔ مذہب نصاریٰ کا خدا مثل انسان کے مجسم ہے۔ ۲۔ اپنے بندوں سے کشتی لڑتا ہے ۳۔ ایسا کمزور ہے کہ غالب نہیں آتا۔ ۴۔ اپنے بندوں کا نام نہیں جانتا اور ظاہر ہے کہ نہ ایسا خدا خدائی کے لائق ہے نہ اوس کا بھیجا ہوا دین ماننے کے لائق۔

لطیفہ ہشتم۔ عیسیٰ کی گرفتاری اور شہادت۔ انہوں کی بیوفائی اور غیروں کی ہمدردی

پیلاطس (حاکم) کی کچہری میں یسوع (حضرت عیسیٰؑ) کے مقدمہ کی پیشی [1]

مدعی[2] کائفا نام سردار کاہن اور اُس کے پیرو یہودی۔ بنام (خدائے نصاریٰ) عیسیٰ مسیح مدعا علیہ۔ دعویٰ والزام یہ ہے کہ مدعا علیہ کہتا ہے کہ یہودیوں[3] کا بادشاہ ہوں [4] یہ کہتا ہے[5] کہ خدا کا بیٹا ہوں [6] اس نے کہا ہے[7] کہ خدا کے مقدس کو ڈھا سکتا اور تین دن میں اسے بنا سکتا ہوں [8] اس نے[9] کفر بکا ہے۔ گواہ مدعیان متعلق [10] دو نفر یہودی و متعلق [11] سردار کاہن و بزرگانِ قوم و کائفا نام سردار کاہن جواب یا بیان تحریری کا مطالبہ۔ حاکم نے (عیسیٰؑ سے) یہ پوچھا کہ کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے۔ یسوع تو خود کہتا ہے[9]۔ حاکم نے (عیسیٰؑ سے باقی نمبروں کے متعلق) جبکہ سردار کاہن اور بزرگ قوم یہود ان پر الزام لگا رہے تھے۔ پوچھا کہ کیا تو نہیں سنتا کہ یہ تیرے خلاف کتنی گواہیاں دیتے ہیں یسوع نے کچھ جواب نہ دیا[10]۔ صفائی کے گواہوں کا مطالبہ۔ حاکم نے (عیسیٰؑ سے) بزبانِ حال صفائی کے گواہ طلب کئے۔ عیسیٰؑ نے جواب دیا کہ صفائی کے گواہ بارہ حواری تھے۔ لیکن ایک یہودا مدعیوں سے تیس روپیہ کی لالچ میں ملگیا۔ باقی گیارہ پطرس وغیرہ ۔ ہیں۔ پطرس کی طلبی۔ پطرس کیا تو عیسیٰؑ مدعا علیہ کے ساتھ تھا۔ اوسکی بے قصوری کو جانتا ہے۔ پطرس قسم کھا کر میں اس آدمی کو نہیں جانتا[11]۔ باقی دس گواہوں کی طلبی ہوئی معلوم ہوا کہ سب بھاگ گئے[12]۔ عیسیٰؑ نے کہا کہ یہ سب بدعقیدہ اور سخت دل ہیں۔[13]

حاکمِ رحمدل کیا کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے؟ کئی کروڑ مسلمان حضور ہم لوگ گواہ ہیں۔ ہم کو اپنے آباؤ اجداد سے نسلاً بعد نسل یقینی طور پر ہمارے رسولِ اکرم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ کی فرمائش یہ پہونچی ہے کہ مدعا علیہ کا دعویٰ نمبر ا صحیح ہے وہ واقعاً یہودیوں کے بادشاہ ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی اولوالعزم ہیں۔ اور یہودیوں کے باقی دعوے جھوٹے ہیں نہ تو مدعا علیہ نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہا ہے نہ وہ کفر بکے ہیں کیونکہ معصوم کفر نہیں بول سکتے۔ اور مدعا علیہ معصوم ہیں۔ حاکمِ رحمدل نے عیسیٰؑ کے وکلا قومِ نصاریٰ سے پوچھا کہ تم بھی اپنے موکل

---

[1] یہ عبارت انجیل متی باب ۲۷ درس ۱۱ تا ۲۶ کی سرخی کی عبارت ہے [2] انجیل متی باب ۲۶ درس ۳ تا ۵ [3] انجیل متی باب ۲۷ درس ۱۱ و باب ۲۷ درس ۳۷ [4] انجیل متی باب ۲۷ درس ۴۳ [5] انجیل متی باب ۲۶ درس ۶۱ [6] انجیل متی باب ۲۶ درس ۶۵ [7] انجیل متی باب ۲۶ درس ۶۰ [8] انجیل متی باب ۲۷ درس ۶۰ تا ۶۶ [9] انجیل متی باب ۲۷ درس ۱۱ [10] انجیل متی باب ۲۷ درس ۱۲ تا ۱۴ [11] انجیل متی باب ۲۶ درس ۷۴ [12] انجیل متی باب ۲۶ درس ۵۶ [13] انجیل مرقس باب ۱۶ درس ۱۴۔

کی طرف سے کچھ کہنا چاہتے ہو۔ وکلاء مدعیوں کے دعووں کا جواب تو میرے پاس کچھ نہیں ہے، کیونکہ اون کے کل دعوے میری ہی مقدس کتاب انجیل متی میں لکھے ہوئے ہیں جنکا پورا پتہ مدعیوں نے اُس کتاب سے دیا ہے۔ اور میری مقدس کتابوں میں ان الزامات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا ہے۔ اس لئے ہم لوگ مدعیوں کے دعووں اور الزامات کو رد نہیں کر سکتے البتہ کہنا یہ ہے کہ کئی کروڑ مسلمانوں نے جو ہمارے موکل کی برائت پر گواہی دی ہے وہ سب گمراہ اور جھوٹے ہیں نہ اون کا مذہب صحیح ہے نہ قران جسکو وہ آسمانی کتاب کہتے ہیں اور نہ اون کے رسول محمد صاحب برحق نبی اور سچے ہیں اور نہ اون کی یہ گواہی سچی ہے کہ ہمارے موکل نے اپنی نسبت خدا کا بیٹا ہونے کا دعوا نہیں کیا۔

فیصلہ بحق مدعیان۔ حکم ہوا کہ مدعیوں کے الزامات اور دعووں کا خود ملزم اور اوس کے وکلاء اقرار کرتے ہیں اور صفائی کے گواہوں میں سے پطرس نے اوس کو پہچاننے ہی سے انکار کیا اور یہوداسکریوتی مدعیوں کی موافقت میں ہے اور دس گواہ حواری بھاگ گئے اور مسلمان گواہ حسب بیان وکلاء مجرم کے گمراہ اور غیر معتبر اور جھوٹے ثابت ہوئے اسلئے مدعا علیہ کا جرم ثابت ہے اُس کو سولی دیجائے۔

مدعیوں کا سلوک مدعا علیہ و خدائے نصاریٰ کے ساتھ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کے مُنہ پر تھوکا (انجیل متی باب ۲۶ درس ۶۷) اور مکے مارے (درس ۶۷) اور طمانچے مارے (۶۸) اور کوڑے لگوائے (باب ۲۷ درس ۲۶) اور کپڑے اوتار کر سرخ چوغہ پہنایا (درس ۲۸) اور کانٹوں کا تاج سر پر پہنایا (درس ۲۹) اور ایک سرکنڈا ہاتھ میں دیکر اس طرح تمسخر کرنے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ! آداب! (درس ۲۹) اور اُن پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لیکر اُن کے سر پر مارنے لگے (درس ۳۰) پھر چوغہ اوتار کر سولی دی (درس ۳۱) اور یہ لکھ کر "یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے" اُن کے سر سے اوپر لگا دیا (درس ۳۷) اور لعن طعن کرتے تھے (۳۹) **نتیجہ کلام** مندرجہ بالا مضامین کو پیش رکھتے ہوئے حضرات نصاریٰ سے چند امروں میں غور و انصاف کریں۔ ۱ یہ کہ اون کا مذہب کیسا ہے آیا اُن کا مذہب حق ہے یا مسلمانوں کا؟ ۲ یہ کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے سچے بہی خواہ اور ہمدرد عیسائی جماعت ہے یا مسلمانوں کی جماعت؟ ۳ یہ کہ آیا لائق محبت ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ کے دشمن یعنی یہودیوں کو ہونا چاہیئے یا مسلمانوں کو جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

کے دوست اور ان کی نبوت کو مانتے ہیں اور اُن کے جامع صفات کمال ہونے کے معتقد ہیں؟

اس پورے مضمون کو باوجود طول و تفصیل کے ہم نے اس واسطے نقل کیا ہے تاکہ یہوداکی تیس روپیے کے لئے اوستاد اور خدا کے برگزیدہ بندہ اور نبی اولوالعزم کے ساتھ بیوفائی اور بے ایمانی اور مکاری اور حیالی اور بطرس کی اپنے ایسے اوستاد کیساتھ بیوفائی اور جھوٹھ بولنا اور جھوٹی قسم کھانا اور اُنپر لعنت کرنا اور اُن کے مصائب و ہتک و توہین کو ٹھنڈے دل سے دیکھنا معلوم ہو جائے۔ اور اہل انصاف سمجھ لیں کہ ایسوں کی لکھی ہوئی انجیل کس نگاہ سے دیکھی جانے کی مستحق ہے۔ کیا ایسے لوگ کسی مذہب کے مربی اور مروج کہے جا سکتے ہیں؟ کیا جس مذہب کے یہ لوگ سردار و سرپرست ہوں وہ مذہب مذہب حق کہا جا سکتا ہے؟

ہمارے پاس توریت اور انجیل کی بے اعتباری کی دلیلیں اور شواہد و ثبوت اس قدر ہیں کہ اگر سب جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن چونکہ مقدمہ کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں ہے اس لئے اسی مقدار پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو صاحب تفصیل کے طالب ہوں وہ ان کتابوں کو دیکھیں جو خاص اس بحث کے متعلق لکھی گئی ہیں۔

(۳ آریہ) چونکہ اس مذہب کا دارومدار تمام تر دیانند جی پر ہے کیونکہ اس مذہب کے بانی یا مجدد اور زندہ کرنے والے وہی ہیں اس واسطے اِس مذہب کی حقیقت اور بطلان کو انہیں کے بتائے ہوئے معیار اور بنائی ہوئی کسوٹی پر جانچینگے۔ اس لئے کہ اُن کے پیرووں کی تشفی کا ذریعہ اس سے بہتر کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی ہے۔ اگر وہ اُنکی بنائی ہوئی کسوٹی کو نہ مانیں تو یہ ثبوت اُن کی ہٹ دھرمی کا ہوگا۔ اور وہ معیار اور کسوٹی یہ ہے کہ جس مذہب میں جائز کشت و خون اور قتل و غارت اور کافر و لا مذہب اور بُرے کو بُرا کہنا بھی جائز ہو وہ مذہب صحیح نہیں ہے۔

واضح ہو کہ اس مذہب کی آسمانی کتاب اس مذہب والوں کے نزدیک وید[ع] ہیں اس لئے ویدہی

ع بقول مجوسیوں کے جو آریوں کے بھائی یعنی آتش پرست ہیں اور پھر اُن سے بالکل بے تعلق اور بے غرض بھی ہیں ایک ہزار ایک سو پینتالیس سال قبل ہجرت حضرت رسول اللہؐ کے بلخ میں زردشت ظاہر ہوا جو مجوسیوں کا سردار تھا اور آتش پرستی کو رواج دیا۔ اُسکی شہرت سنکر ہندوستان سے پہلے جنگر نکھاچہ اُسکی ملاقات کو بلخ گئے اور اُسکے پیرو بنکر واپس آئے اِن کے ایک سال بعد یعنی ایک ہزار ایک سو چالیس سال قبل ہجرت کے بیاس گئے اور اسکے پیرو بنکر واپس آئے اور اس سے سُنی ہوئی باتوں کو جمع لکھنے

کی حقیقت و بطلان اس کی حقیقت و بطلان کا آئینہ ہوگا۔ جن اصول کو دیانند جی نے کسی مذہب کی بطلان کی کسوٹی قرار دی ہے چونکہ ہم ان اصول کو تسلیم نہیں کرتے اس لئے وہ اصول ہم پر حجت نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم اٹھارہویں مقدمہ میں تفصیل سے لکھ آئے ہیں کہ ہر شخص پر وہی چیز حجت ہو سکتی ہے اور اوسی سے اوس پر الزام لگایا جا سکتا ہے جسکو وہ مانتا ہو۔ اور ان اصول کو چونکہ دیانند جی خود مانتے ہیں اس لئے ان اصول سے اون پر حجت تمام ہو سکتی ہے اور ان سے اون پر الزام پورے ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اور ہم ان اصول کو اس وجہ سے نہیں مانتے کہ ایک تو ان اصول کی باتیں اسلام کی آسمانی کتاب سے ثابت نہیں ہیں بلکہ دیانند جی نے اسلام کے سر منڈھ کر اصول نقیض قائم کئے ہیں۔ دوسرے اس وجہ سے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ابتدائے خلقت عالم سے اس وقت تک دنیا کے کل عقلاء غریب۔ امیر۔ عالم۔ جاہل۔ رشی۔ مہرشی۔ دیندار۔ بیدین۔ انبیاء اوصیاء سب کا یہی دستور چلا آرہا ہے کہ ظلم کی ابتداء خود نہیں کرتے اور ظالم کے ظلم کو حتی الامکان برداشت کرتے اور ٹالتے ہیں اور اپنی جان عزیز کی حفاظت کی صورتیں نکالتے اور جب دیکھتے ہیں کہ ظالم سے کسی طرح نجات نہیں ملتی تو بقدر اپنی طاقت و قدرت کے دفاعی مقابلہ کرتے اور مجبوراً ہتھیار اوٹھاتے ہیں اور اگر مجبور صرف ہوتے ہیں یا مصلحت سکوت کرنے میں ہوتی ہے تو سکوت کرتے ہیں اور جنگ یا سکوت میں ہر شخص کی مصلحت جداگانہ ہوتی ہے۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ دنیا کے کل لوگ دشمن کا مقابلہ ہی کریں یا اسکے ظلم پر سکوت ہی کریں۔ دنیا کے کل مورخ یہاں تک کہ یہودی و عیسائی بھی جو ہمارے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ کو نہیں مانتے صاف صاف لکھتے ہیں کہ دیانند جی کے بھائی یعنی کفار قریش کل اچھی صفتوں سے محروم اور ہر طرح کی بدیوں میں پڑے ہوئے تھے اور اون کی بد باطنی اور سبعیت و بہیمیت کی کوئی حد باقی نہ رہی تھی آنریبل سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ عرب کے لوگ توہمات اور کفر و ضلالت اور بیرحمی اور بد اعمالی کے دریا میں غرق تھے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اپنی ماں کو اپنی زوجیت میں لیلیا کرتے تھے بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے کا عام رواج تھا۔ دیکھو لائف آف محمد جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ (۱۲ منہ)۔ اور حضرت رسول اللہ ایسا دین لائے جس نے دنیا سے عموماً اور مکہ سے خصوصاً بداخلاقیوں کی تاریکیوں کو دفع کر کے علم و اخلاق کے نور کو پھیلایا اور بداخلاقوں کو قعر ذلت سے نکال کر عزت و شرافت کے

اوج تک پہونچایا۔ دیکھو ساتواں مقدمہ جس میں ہم نے ان مضامین کو بتفصیل تمام نقل کیا ہے

اس عزیز اور اعلیٰ اور پاکیزہ تر دین کے ظاہر کرنے پر وحشی عرب حضرت کے دشمن ہو گئے طرح طرح سے تکلیفیں پہونچانے لگے۔ طمانچے مارتے تھے راہ چلتے آپ پر کوڑا پھینکا کرتے تھے نماز کی حالت میں اونٹ کا معدہ وغیرہ ڈال دیا کرتے تھے قتل کے لئے گھر گھیر لیا اور حضرت کو اپنا وطن عزیز چھوڑنا پڑا حضرت کا اپنا وطن وشہر چھوڑ دینا ان کیلئے کافی نہ ہوا تلاش کرتے ہوئے غار کے دہانہ تک پہونچے۔ پھر مقام قدید تک پیچھا کیا۔ جب حضرت کو نہ مار سکے تو مدینہ منورہ پر چڑھائی شروع کردی اور مدینہ کو لوٹنے اور تباہ وبرباد کرنے پر آمادہ ہو گئے حبشہ کے مہاجروں کی گرفتاری کے لئے وہاں تک کا دھاوا کیا۔ یہ سب ظلم اور شرارت نہ تھی تو کیا تھا آخر مجبوراً حضرت کو ہتھیار اٹھانا پڑا حضرت پر الزام یہ لگایا جاتا تھا کہ اُن کے بتوں کی بدی اور بُت پرستی اور بُرے اخلاق کی بُرائی بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی الزام نہیں ہے کیونکہ کھُلی ہوئی بات ہے کہ اگر کوئی شخص کسی میں بُرے اخلاق پاتا ہے اور ازراہِ ہمدردی اُسکی اصلاح کرنا چاہتا ہے تو اس بُرے اخلاق کی بدی ہی کو اوس سے بیان کرتا ہے تاکہ وہ اوس سے باز آئے بُرے اخلاق کی تعریف نہیں کرتا اس لئے کہ لائقِ تعریف اور اچھی چیز سے روکنا عاقل اور دیندار کا فعل نہیں ہے اور بُری چیز کی تعریف کرنا اصلاح کی منافی اور اُس شخص کی بدخواہی اور خیانت اور دھوکھا دینا ہے۔ اگر بت پرستی اور بُرے اخلاق کی بُرائی کا بیان واقعی جرم ہو اور بیان کرنے والا اذیت اور ہتک وتوہین اور قتل کا مستحق ہو تو چاہیئے کہ دیانندجی بھی انھیں باتوں کے مستحق سمجھے جائیں۔ کیونکہ اون کی کتاب ستیارتھ پرکاش بُت پرستی کی مذمت اور بداخلاقیوں کی ممانعت سے بھری ہوئی ہے۔ کیا کوئی دیانندی اِس کا پابند ہو سکتا ہے کہ دیانندجی بُت پرستی کی مذمت پر مستحقِ ہتک وتوہین ہیں۔

باوجود اس کے کہ کوئی عاقل اس کو قبول نہیں کرسکتا اور نہ دیانند خود اپنے حق میں اس پر راضی ہوتے اور نہ کوئی دیانندی راضی ہو سکتا ہے۔ پھر دیانند جی حضرت سرورِ عالم کے

ؔ دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۸۳ و ۴۰۹ و ۴۱۰ و ۴۱۳ و ۴۱۴ و ۴۱۵ و ۴۱۶ و ۴۱۷ و ۴۱۹ و ۴۲۲ و ۴۲۳ و ۴۲۴ و ۴۳۴ و ۴۳۶ و ۴۴۷ و ۵۸۴ – ۱۲ منہ

مجبوراً دفاعی مقابلہ اور ظالم قریش سے جنگ کرنے کو اس وجہ سے غیظ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ وہ سب ان کے بھائی اور نسل ان کے غیر مسلمان تھے اگرچہ بُت پرستی کی وجہ سے ان کی زبان سے کافر اور بُرے کہے جانے کے مستحق تھے۔ یہ اپنی زبان سے اُن کو اور اُن کے مذہب اور اُن کے خدا اور ان کو بُرا کہنا بُرا نہ جانتے تھے گویا مقصود ان کا یہ تھا کہ اُن کی بُت پرستی اور بد اخلاقیوں اور بدیدیوں کو یہ خود بُرا کہیں اور باطل اور ناحق سمجھیں اس لئے کہ وہ آریہ نہیں ہیں لیکن کوئی مسلمان نہ کہے اپنی ماں کو بی بی بنانے پر نہ ٹوکے۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کی بدی کو اُن سے نہ کہے۔ آپس کی جنگ و پیکار اور خونریزیوں کو بُرا نہ سمجھے کیونکہ وہ ان کے بھائی یعنی غیر مسلمان ہیں اگرچہ باطل پرست اور کجرو ہیں۔

دیانند جی ان اصول و معیاروں کو لکھتے وقت مہا بھارت کی جنگ کو بھولے ہوئے تھے جس کے بارے میں ہنود کہتے ہیں کہ ایسی جنگ دنیا میں کبھی نہ ہوئی۔ اور بقول دیانند جی کے۔ "ایسے سرتاج ملک (یعنی ہندوستان) کو مہا بھارت کی جنگ نے ایسا دھکا دیا کہ باوجودیکہ پانچ ہزار برس گذر جانے کے ستیارتھ پرکاش ص ۳۵۷ ذکر مہا بھارت) اب تک بھی یہ اپنی حالت میں نہیں آیا جس میں بڑے بڑے عالم۔ راجا مہاراجا۔ رشی۔ مہرشی[1] لوگ بہت سے مارے گئے اور علم و وید کی اشاعت بند ہو گئی [1] اور یہ جنگ ایسی با وقعت تھی کہ مذہب ہنود و آریہ کے نبی اور آسمانی کتاب یعنی ویدوں کے لکھنے والے یعنی دیاس جی اور ان کے شاگردوں نے اس کی واقعہ نویسی کے لئے قلم اٹھایا اور دیاس جی نے چار ہزار چار سو اور اُن کے شاگردوں نے پانچ ہزار چھ سو اشلوک لکھ ڈالے"[2]

اب یہاں پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اس جنگ میں دیانند جی کے بڑے بڑے عالم۔ رشی۔ مہرشی برسر ظلم تھے یا اُن کے مخالف کیونکہ ایک ہی فریق

[ع] رشی کا مرتبہ ان لوگوں کے نزدیک موصی نبی کا ہے۔ اور مہرشی کا مرتبہ نبی کا۔ جس پر الہام ہوتا ہے (ستیارتھ پرکاش ص ۲۶۹) ۱۲ منہ۔ [1] ستیارتھ پرکاش باب گیارہواں ص ۳۵۷ ذکر جنگ مہا بھارت۔ چھاپہ لاہور سنہ ۱۸۹۹ء ۱۲ منہ۔ [2] دیکھو ستیارتھ پرکاش باب گیارہواں ص ۔۔۔ چھاپہ لاہور سنہ ۱۸۹۹ء ۱۲ منہ۔

حق پر ہوتا ہے اور دوسرا ظالم ۔ اگر دیانندجی ان لوگوں کو مظلوم اور برسرِ حق بتائیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ انکا اپنے لاکھوں ع بھائیوں کو قتل کرنا بُرا نہ ہو حالانکہ وہ ان کے ہم مذہب تھے اور ان کے مذہب کے دشمن اور اُس کی پامالی اور مٹا دینے کی فکر میں نہ تھے ۔ اور حضرت سرورِ عالم کا اُن لوگوں پر دفاعی اور مظلومانہ ہتھیار اُٹھانا بُرا سمجھا جائے جو آپکی ذات اور دین و مذہب کے دشمن اور فنا کردینے کی فکر میں کوشاں تھے حالانکہ خود بیدینی اور دنیا بھر کی بُرائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور حضرتؐ اُن کی اصلاح اور تعلیم کی کوشش کررہے تھے اور بہت کچھ اُن کے مظالم کو برداشت بھی کیا جسکا ثبوت مہابھارت کے علماء اور رشی مہرشی کے متعلق ہرگز نہیں مل سکتا ۔ اور اگر دیانندجی خود انہیں لوگوں کو ظالم اور ناحق پرست بتائیں اور پھر اُن لوگوں کو عالم اور رشی مہرشی جیسے معزز القاب سے سرفراز کریں تو اُنکو اختیار ہے ۔ لیکن یہ بھی سوچ لیں کہ پھر اُن کا دین و مذہب کس نتیجہ پر پہونچا ہے ۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا وہ جنگ اچھی ہے جس سے بقول دیانندجی کے علم اور وید کی تعلیم دُنیا سے فنا ہو جائے جو اُن کے عالم اور رشی و مہرشی لوگوں کے ہاتھوں انجام پائی ۔ یا وہ جنگ اچھی ہے جس نے دنیا سے کفر و شرک و فسق و فجور و بدکاریوں کو فنا کرکے سچے دین سچے علم ۔ اچھے اخلاق و عادات و اطوار کی نورانیت سے عالم کو منور کردیا ۔ جو ہمارے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ کے ہاتھوں انجام پائی ۔ دیانندجی انصاف سے بتائیں ۔

بہرحال دیانندجی نے مذاہب کے پرکھنے کا جو معیار قرار دیا ہے اور جن اصول سے وہ اسلام پر طعن کررہے ہیں وہ اسلام کو نقصان نہیں پہونچا سکتے ۔ کیونکہ مسلمان اُن اصول کو نہایت قوی دلیلوں کی بنا پر جو ابھی ذکر کی گئیں نہیں مانتے ۔ لیکن چونکہ یہ اصول خود دیانندجی کے گڑھے ہوئے اور تسلیم کئے ہوئے ہیں اس لئے ان کی آنچ سے انکے وید اور ان کے مذہب اور دھرم کا بچنا محال ہے ۔ اور یہ اپنے ہاتھوں دہکائی ہوئی آنچ ایسی ہے جسکو دنیا کا کوئی پانی بجھا نہیں سکتا ۔ نہ کوئی طاقت اس تباہکاری سے ان کی حفاظت کرسکتی ہے ۔

ع دیانندجی کہتے ہیں کہ " جب بھائی کو بھائی مارنے لگے تو تباہ ہونے میں کیا شک ہے ۔ دستیارتھ پرکاش باب ۱۱ صفحہ ۳۷۲ ذکر جنگ مہابھارت ۔ ۱۲ منہ ۔

واضح رہے کہ کسی سے جنگ وپیکار کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اپنے دشمن ظالم کے ظلم کو دفع کرنے اور اپنی جان و مال و عزت کی حفاظت کی غرض سے جائز طور پر اُس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو جائز یا ناجائز طور پر اُس شخص سے جنگ کرتے یا اُسکو نقصان پہونچاتے ہیں جس سے یہ خود عداوت رکھتے ہیں۔ خواہ مخالفت مذہب کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے اگرچہ وہ انکا دشمن نہ ہو۔

دیانند جی اِن دونوں قسموں کے آدمیوں کو اور جس مذہب میں اس کی اجازت ہے اوس مذہب کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اور وید انکا جو انکی آسمانی کتاب ہے دونوں طرح کے جنگ وپیکار اور ہتک و توہین اور لوٹ و غارت گری کو تجویز کرتی اور اُس کی اجازت دیتی ہے۔

اب ہم دیانند جی کے اصول کے ساتھ ساتھ اُن کے وید کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ انھیں کے اصول کی رو سے انکا وید اور انکا مذہب ظالمانہ روش کی تعلیم دیتا ہے اس لئے مطابق انکی تجویز کے بُرا اور لائق چھوڑ دینے کے اور باطل اور جعلی ہے۔ ع۱ آپ دیکھئے پرلے درجے کے تعصب کی بات کہ جو مسلمان نہ ہو اوسکو جہاں پاؤ مار ڈالو اور مسلمانوں کو نہ مارو۔ بھول سے بھی مسلمانوں کو مارنے میں دوزخ اور غیروں کے مارنے میں بہشت ملیگا۔ ایسی تعلیم کنوئیں میں ڈالنی چاہئے۔ ایسی کتاب۔ ایسے پیغمبر ایسے خدا اور ایسے مذہب سے سوائے نقصان کے فائدہ کچھ بھی نہیں انکا نہ ہونا اچھا ہے۔ ۱ه ع۱ اے سخت ڈنڈ دینے والے راج پرش! آپ دھرم کے مخالف دشمنوں کو آگ میں جلا ڈالیں۔ اے جاہ و جلال والے پرش! وہ جو ہمارے دشمنوں کو حوصلہ دیتا ہے آپ اوسکو اُلٹا لٹکا کر خشک لکڑی کی مانند جلائیں ۲ه یہ سزا مار ڈالنے سے بھی بدتر ہے۔ زندہ آگ میں جلانا قتل سے زیادہ دردناک ہے۔ ع۲ تعجب ہے کہ جو لوٹ مچاویں ڈاکو کے کام کریں کرائیں وہ خدا۔ پیغمبر اور ایماندار کہلائیں ساتھ ہی اللہ کا ڈر بتلاتے اور ڈاکہ مارتے جاتے ہیں پھر یہ کہتے شرم نہیں آتی کہ ہمارا مذہب اچھا ہے۔ ۱ه

ع۲ اے تیج دھاری و روان پرش! آپ تیز رو دشمن کے کھانے پینے یا دیگر کام کاج

۱ه ستیارتھ پرکاش باب ۱۴ ص ۶۹۲ چھاپہ لاہور سند ترجمہ ۱۲ منہ۔ ۲ه یجروید ادھیا ۱۳ ۔ منتر ۱۲ ۳ه ستیارتھ پرکاش باب ۱۴ ص ۶۹۹ ۱۲ منہ

کے مقامات کو اچھی طرح اُجاڑیں اور اُن کو اپنی تمام طاقت سے ماریں لہ

نمبر۳ جو یہ لکھا ہے کہ غیر لوگ جہاں ملیں اُن کو پکڑ وا اور مار و ویسا ہی اگر مسلمانوں سے غیر مذہب والے برتاؤ کریں تو اون کو یہ بات بُری لگے گی یا نہیں؟ اس سے اُن کی طرفداری خود غرضی اور سخت ظلم کا ثبوت ملتا ہے ٢ہ

(ا) ع۳ جس دشمن سے ہم لوگ دویش (یعنی نفرت) کریں یا جو دشمن ہم سے دویش (یعنی نفرت) کرے ہم اونکو ہواؤں سے ہلاک کریں ۳ہ

(ب) ع۳ اور ہم جس سے نفرت کریں یا جو ہم کو دُکھ دے اُن کو ہواؤں کے منہ میں ڈال کر اس طرح دُکھ دیں جس طرح بلی کے منہ میں چوہا ۴ہ

(ج) ع۳ ہم لوگ جسکو ناراض کریں یا جو ہم کو دُکھ دے اون کو ہم ہواؤں کے مُنہ میں ڈالکر اس طرح دُکھ دیں جس طرح بلی کے منہ میں چوہا ۵ہ

(د) ع۳ ہم لوگ جس دشمن سے دویش (یعنی نفرت) کریں یا جو ہم سے دویش (یعنی نفرت) کرے اوسکو ہم لوگ خونخوار جانوروں کے مُنہ میں ڈال دیں ۶ہ

(ہ) ع۳ وہ جس سے ہم دویش (یعنی نفرت) کرتے ہیں یا جو ہم سے نفرت کرتا ہے اُسکو ہم ہوا اور پانی کے دُکھ دینے والی گن روپی (منحوس صورت کے) مُنہ میں ڈالدیں ۷ہ

یجروید کے ان پانچوں منتروں میں طرفداری اور خود غرضی سے کام لیا گیا ہے کیونکہ یہ منتر صاف صاف بتا رہے ہیں کہ ہندو مذہب والے جائز یا ناجائز جس طور سے بھی دوسروں کو ستائیں اور ان سے نفرت کریں اوسی مظلوم کو شل چوہا اور خونخوار جانوروں کے شکار کے ہلاک کیا جائے اور ان ستانے والے اور نفرت کرنیوالے ظالموں کیلئے کوئی سزا نہ ہو۔ اور بقول دیانند جی کے یہ طرفداری و خودغرضی سخت ظلم کا ثبوت ہے اس لئے ویدی مذہب جو ظالمانہ روش کی تعلیم دیتا ہے باطل اور چھوڑ دینے کے لائق اور قابل نفرت ہے۔

ط

لہ یجروید ادھیا ۱۳ منتر ۱۳۔ ٢ہ ستیارتھ پرکاش فصل ۱۳ چھاپہ لاہور ۱۸۹۹ء ۱۳ منہ ۳ہ یجروید ادھیا ۱۵ منتر ۱۵-۱۲ منہ ۴ہ یجروید ادھیا ۱۶ منتر ۶۵-۱۲ منہ ۵ہ یجروید ادھیا ۱۶ منتر ۶۶-۱۲ منہ ۶ہ یجروید ادھیا ۱۵ منتر ۱۹-۱۲ منہ ۷ہ یجروید ادھیا ۱۵-منتر ۱۸-۱۲ منہ

؏ یہ قرآن - خدا - اور مسلمان - غدر مچانے ـــــ سب کو تکلیف دینے اور اپنا مطلب نکالنے والے ظالم ہیں ۱؎

؏ ہم لوگ جس سے دشمنی کریں اور جو ہم سے دشمنی کرے اوس کو ہم شیر وغیرہ کے منہ میں ڈالدیں راجہ بھی اُس کو شیر کے منہ میں ڈالدے ۲؎

یجر وید کی چونکہ یہ تعلیم ہے کہ ظالم و شریر ہندو جس بیچارے بے قصور مظلوم سے دشمنی کریں اوس ظالم کو سزا نہ کیجائے بلکہ مظلوم ہی شیر وغیرہ کے منہ میں ڈالے جائیں۔ اس لئے وید - ویدی خدا اور وید پرست ہندو - بے قصوروں سے دشمنی کرنے - غدر مچانے سب بے قصوروں کو تکلیف دینے اور اپنا مطلب نکالنے والے ظالم ہیں اور بقول دیانند کے ظالم قابلِ نفرت اور چھوڑ دینے کے لائق ہیں۔

؏ اس قسم کی پرارتھنا (یعنی دعا) کبھی نہ کرنی چاہئے کہ اے پرمیشور آپ میرے دشمنوں کو فنا کردو۔ ۳؎

؏ اے پرمیشور! میں اپنے دشمنوں کی ہلاکت کے لئے آپ کو اپنے دل کے بیچ میں قائم کرتا ہوں ۴؎ اے بھائی! جو ہم لوگوں سے دشمنی رکھتا ہے یا جس سے ہم لوگ دشمنی کرتے ہیں اُس کے لئے جل (پانی) اور اناج وغیرہ سب کے سب دُکھ دینے والے دشمن کے مانند ہوں ۵؎

چونکہ دیانند جی دشمن کے حق میں بھی بددعا کرنے کو بُرا جانتے ہیں اور یجر وید میں بقید مظلوم کے حق میں ظالم کو بھی بددعا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے جو پہلی بددعا سے بدتر ہے اس لئے وید کی تعلیم ظالمانہ اور ویدی مذہب ظالم اور باطل اور قابلِ نفرت ثابت ہوتا ہے اس واسطے ایسے وید اور ایسے مذہب کا نہ ہونا اچھا ہے

ویدوں میں ایسے فاسد مضامین بہت ہیں سب کا احصا کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ بطور نمونہ کے چند مثالوں کو اس غرض سے ذکر کردینا مقصود تھا تاکہ دیانند جی کے

۱؎ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۳۸ چھاپہ لاہور سنہ ۱۸۹۹ء ۱۲-۶ سنہ ۲؎ یجر وید ادھیائے ۱۵ منتر ۱۷-۱۲ منہ

۳؎ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۴۱ چھاپہ لاہور سنہ ۱۸۹۹ء ۱۲ منہ - ۴؎ یجر وید ادھیائے ۱ منتر ۱۸ - ۱۲ منہ

۵؎ یجر وید ادھیائے ۶ منتر ۲۲ - ۲۲ - منہ

پیر و سمجھیں کہ خود دیانند جی کے ساختہ اور تسلیم کردہ اصول کے مطابق ویدی مذہب بُرا اور چھوڑ دینے کے لائق ہے۔

(قادیانی) قادیانی مذہب کی چکّی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی نبوت کی میخ پر چل رہی ہے اس واسطے ہم کو زیادہ کاوش کرنے کی ضرورت نہیں ہے خود غلام احمد صاحب کے ہتھوڑے کی دو چوٹوں سے اس میخ کو ہم اوکھاڑے دیتے ہیں۔ نہ رہیگا بانس نہ بجیگی بانسلی۔

دعوائے نبوت ۱؎ میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اوس وقت تک جو دنیا سے گذر جاؤں ۲؎ نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا ۲؎

مدعی نبوت کافر ہے ۱؎ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت و رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں ۳؎ ۲؎ مجھے کب جائز ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جا ملوں ۴؎ ۳؎ مجھے کب حق پہونچتا ہے کہ میں ادّعائے نبوت کروں اور اسلام سے خارج ہو جاؤں اور قوم کافرین سے جا ملوں ۵؎

مرزا صاحب کے بیان کی منطقی شکل اول صغرٰی فلاں شخص مدعی نبوت ہے۔ کبریٰ حضرت محمد مصطفےٰ کے بعد مدعی نبوت کافر ہے۔

نتیجہ فلاں شخص کافر ہے ایضاً۔ صغریٰ فلاں شخص کافر ہے۔ کبریٰ۔ کافر نبی نہیں ہو سکتا۔

نتیجہ فلاں شخص نبی نہیں ہو سکتا۔

۱؎ مرزا غلام احمد صاحب کا خط بنام اخبار عام لاہور مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء منقول از قادیانی مذہب صفحہ ۸۷ ۱۲ منہ

۲؎ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱ مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی منقول از قادیانی مذہب صفحہ ۹۰ - ۱۲ منہ

۳؎ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کا اشتہار مورخہ ۲۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۲ صفحہ ۲ منقول از قادیانی مذہب صفحہ ۵۸ - ۱۲ منہ ۴؎ قادیانی مذہب صفحہ ۵۹ بحوالہ حمامۃ البشریٰ مصنفہ مرزا صاحب صفحہ ۹۶ - ۱۲ منہ

۵؎ قادیانی مذہب بحوالہ حمامۃ البشریٰ صفحہ ۷۹ - ۱۲ منہ

اہل قرآن - اہل قرآن ایک نیا مذہب نکلا ہے جسکا بانی عبداللہ نام سنی المذہب چکڑالوی پنجابی ہے اس مذہب کو نکلے ہوئے چالیس سال سے زیادہ نہیں ہوا۔ پیرو اس مذہب کے سنی اور شیعے دونوں ہیں لیکن ابھی تک بہت کم ہیں۔ بیان ان سب کا یہ ہے کہ قران مجید کی سند متواتر ہے اس لئے اس کا یقین ہے کہ قران جو حضرت سرور عالمؐ پر نازل ہوا تھا وہ یہی ہے جو ہم لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اور حدیثوں کے بیان کرنے والے چونکہ جائز الخطائ ہیں اس واسطے حدیث بیان کرنے میں اون کا جھوٹھ بولنا ممکن ہے اور ایسی صورت میں ہم کو اوس کا یقین نہیں ہو سکتا کہ جو حدیث حضرت رسول اللہؐ اور اہلبیتؑ اطہار نے بیان کیا تھا وہ یہی ہے جسکو راوی نے بیان کیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ سب حدیثوں کو اکدم نہیں مانتے اور قران کے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں اور اُسی قدر احکام مانتے ہیں جتنا قرآن کے ظاہری معنی سے سمجھتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ اون کا کئی وجہوں سے جاہلانہ اور غلط اور فاسد ہے۔

ایک اس وجہ سے کہ قران مجید ان لوگوں کو نہ تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے دست مبارک سے ملا نہ اہلبیت اطہار علیہم السلام کے ہاتھوں سے۔ نہ خلفاء کے ہاتھو بلکہ مروجہ قرآن مجید کے نازل شدہ قران کی نقل ہونے کو بھی انہیں اونھیں جائز الخطا لوگو نے بیان کیا ہے۔ جو حدیثوں کے بیان کرنے والے ہیں پس جو شبہہ یہ لوگ حدیثوں میں کرتے ہیں۔ بعینہ وہی شبہہ قران میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔

رہا اس کے سند کا تواتر تو جیسے قران کی سند متواتر ہے اسی طرح بہت سی حدیثیں بھی متواتر ہیں۔ جن میں سے کچھ متواتر لفظی ہیں اور کچھ متواتر معنوی اس لئے کل حدیثوں کو چھوڑ بیٹھنا صریح جہالت ہے۔

دوسرے اس وجہ سے کہ اس شبہہ کی بنا پر ان لوگوں کو حضرت رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ اور خلفاء ثلثہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھنا پڑیگا۔ کیونکہ یہ لوگ ہرگز نہیں سمجھ سکیں گے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ جو مدعی رسالت ہوئے وہ کس کے بیٹے کس کے پوتے کہاں کے رہنے والے اور کن صفات کے آدمی تھے۔ اسی طرح اہلبیت علیہم السلام اور خلفاء ثلثہ بھی کیونکہ قرآن مجید میں ان امور کی تصریح نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کا پتہ حدیث اور تاریخ سے ملتا ہے جن کے بیان کرنے والے بقول ان کے جائز الخطاء لوگ ہیں۔

تیسرے اس وجہ سے کہ گذشتہ زمانہ کے تاریخی واقعات اور عزیز واقارب دوست احباب بی بی بچے نوکر چاکر وغیرہ کے روزمرہ کے اخبار وبیانوں پر بھروسہ کرنا اور حدیثوں کو بے اعتبار سمجھنا حدیثوں سے ان کی عداوت بلکہ دین رسول اللہ سے عناد کا ثبوت ہوگا اور اگر سب کو بے اعتبار سمجھیں گے تو اولاً پاگل بناکر کنارے کر دیئے جائیں گے۔ دوسرے دنیاوی و اخروی کل کام کاج سے معطل ہو جائیں گے اور علاوہ اس کے اپنی ولدیت تک ثابت نہ کر سکیں گے کیونکہ یہ لوگ بھی اونہیں جھوٹھوں اور جائز الخطاؤں کے ہم جنس ہیں جو حدیثوں کے راوی ہیں۔

لطیفہ مشہد مقدس کی زیارت سے واپسی میں جہاز پر ایک صاحب اہل قرآن سے ملاقات ہوئی۔ اثناء گفتگو میں حدیثوں کا ذکر آیا تو بولے کہ ہم حدیثوں کو نہیں مانتے کیونکہ راویوں کا جھوٹھ بولنا ممکن ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم معاذ اللہ آپ کو گالی دینا نہیں چاہتے بلکہ ایک بات پوچھتے ہیں برا نہ مانیے گا۔ پہلے یہ فرمایئے کہ آپ کے والد ماجد کا کیا نام ہے، کہا فلاں۔ ہم نے کہا یہ بتایئے کہ آپ کی والدہ صاحبہ دوست احباب عزیز اقارب کے یہاں ملاقات کو یا شادی غمی وغیرہ میں جایا کرتی تھیں یا نہیں۔ کہا جایا کرتی تھیں۔ پوچھا آپ کے والد ماجد دو چار روز یا دو چار گھنٹوں کے لئے گھر سے باہر جایا کرتے تھے یا نہیں۔ کہا جاتے تھے۔ ہم نے کہا کہ آپ کیونکر ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ اپنی ماں کے شوہر ہی کے بیٹے ہیں۔ درحالیکہ اس امر کا ثبوت صرف آپ کی ماں کے بیان پر منحصر ہے اور آپ کے باپ کا بیان بھی مفید نہیں ہے۔ اور نہ اس خاص وقت کے لئے کوئی گواہ ٹھہلایا جاتا ہے جو گواہی دے سکے۔ اور مجرم کا اپنے جرم سے انکار کرنا اور اپنی برائت کیلئے جھوٹھ بولنا زیادہ تر قرین قیاس ہے بہ نسبت اون راویوں کے جو دین و مذہب کی ہمدردی میں حدیثیں بیان کر گئے ہیں جنکا سچا ہونا زیادہ تر قرین قیاس ہے۔ (ہمارے پاس ایک کرسچین بھی بیٹھا ہوا تھا) جب اہل قرآن صاحب گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے اور باتیں بنانے لگے تو ہم نے کہا کہ سنئے سچائی انسان کی فطرتی چیز ہے۔ جب تک کسی کا جھوٹھ ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اوس کی بات پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ اسی اصول پر کل اہل دنیا کے ہر کاروبار کا دارومدار ہے۔ اور اسی اصول کی بنا پر ولدیت بھی ثابت ہوتی ہے اور حدیثوں کا اعتبار بھی۔ بلکہ علاوہ فطرتی سچائی کے حدیثوں کے

قبول کرنے میں اتنا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے کہ ہر راوی کے اعتبار پر کم سے کم دو معتبر آدمیوں کی گواہی بھی ضروری ہے جو ولدیت کے ثابت کرنے میں ضروری نہیں سمجھی گئی۔ کیونکہ اُس خاص وقت کے لیئے ایک تو گواہی دشوار امر ہے۔ دوسرے گواہوں کا انعقاد نطفہ آگاہی پانا محال ہے۔ اب بتائیے کہ ولدیت زیادہ معتبر ہوئی یا حدیثیں۔ یہ ہے حدیثیں چوتھی وجہ۔ احادیعنی غیر متواتر حدیثوں کے اعتبار کی اور اُن لوگوں کے عقیدہ کے فساد کی یہی ہے جو لطیفہ کے ذیل میں بطور اصولِ اعتبار کے بیان کی گئی۔ یعنی فطری سچائی اور دو گواہوں کی گواہی۔

پانچویں اس وجہ سے کہ قرآن مجید کے معانی بغیر تفسیر کے سمجھ میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ اُسمیں محکم۔ متشابہ۔ عام۔ خاص۔ مطلق۔ مقید۔ منطوق۔ مفہوم۔ مقدم۔ مؤخر۔ وغیرہ اقسام کی آیتیں بہت ہیں جو بیسویں مقدمہ میں بیان کیئے گئے۔ اور ہر ایک کے استعمال کے لیئے قاعدے اور قوانین ہیں کہ جب تک وہ برتے نہ جائیں صحیح معانی معلوم نہیں ہو سکتے۔ اور تفسیر حدیثوں سے معلوم ہوتی ہے۔ پس حدیث نہ ماننے والوں کو خداوند عالم کا واقعی مراد حاصل نہ ہو سکیگا۔ اور منگھڑت معانی پر عمل کرنے سے مستحق سزا ہوں گے۔

(اہلسنت) اہلسنت اپنے مذہبی امور میں نہ تو قرآنِ مجید سے صحیح فائدہ اُٹھا سکتے ہیں نہ حدیثوں سے کیونکہ قرآن کے متعلق جہاں اس کا یقین ہے کہ اُس میں انسان کا کوئی مستقل کلام نہیں بڑھا پایا گیا وہاں خود اہلسنت کی متواتر اور صحاح ستہ کی حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اُس میں سے بہت سی آیتیں نکال دی گئیں۔ اور سورتوں اور آیتوں کی ترتیب بگاڑ دی گئی جس کی وجہ سے بغیر تفسیر کی مدد کے خداوند حکیم کا صحیح مطلب معلوم نہیں ہو سکتا اور اس امر کا ٹھیک پتہ نہیں مل سکتا کہ آیتیں جن مطالب کو ادا کر رہی ہیں وہ مطالب صحیح ہیں یا غلط۔ پورے ہیں یا ادھورے۔ اُنکا ربط اس وقت جس مضمون سے ہے آیا وہ درحقیقت اوسی سے مربوط ہیں یا کسی دوسری جگہ سے۔ اور ہم اکیسویں مقدمہ میں پوری تفصیل سے لکھ آئے ہیں کہ کلامِ پروردگار کا مفسر سوائے اہلبیت عصمت وطہارت کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن ان کے گھر میں نازل ہوا اور علمِ قرآن کے وارث اور معدن اور تفسیر قرآن کے حقدار یہی بنائے اور تجویز کیئے گئے۔ نہ بکر۔ عمرو۔ خالد۔ اور اہلسنت نے اہلبیت حضرت سرورِ عالم و انوار مقدسہ و وارثِ علوم

اولین و آخرین اور مخزنِ حکمت و علوم قرانِ پاک اور مطہر و معصوم و مقدس ہستیوں کا دامن چھوڑکر ایسے لوگوں کو اپنا پیشوا اختیار کیا ہے جنکی خود انھیں کی معتبر کتابوں میں چار حالتیں دیکھی جارہی ہیں۔

ایک[1] اپنی ناقص سمجھ اور خطا کار عقل سے حکیم کے کلام کی ایسی تفسیر تجویز کرنی جس پر خود ہی کو اطمینان نہ ہو اور اپنی رائے کو شیطان کی رائے کا مساوی قرار دینا اور اوس کی صحت اور غلطی کی تشخیص کو خود جاہل سائل کی تجویز پر چھوڑنا۔[1]

دوسرے[2] اپنی جہالت کا اقرار کرنا اور علمِ قران کے سائلوں کو ابی ابن کعب کے پاس۔ اور حلال و حرام کے سائلوں کو معاذ بن جبل کے پاس۔ اور فرائض کے سائلوں کو زید بن ثابت کے پاس بھیجنا اور مال کے سائلوں کو اپنے ذمہ لینا اور اپنی ذات کو خزانچی بتانا۔[4]

تیسرے[3] دینی احکام کے جواب میں اپنے زیر دست رعایا کا منھ تکنا اور اون سے پوچھ پوچھکر جواب دینا اور قضایا کا فیصلہ کرنا[3] اور بار بار حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دروازہ کھٹکھٹانا اور بار بار اَقْضَانَا عَلِیٌّ[4] (ہم سب سے زیادہ علمِ قضاوت کے جاننے والے علیؑ ہیں) اور لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ فُلَانٌ[5] (اگر علیؑ نہ ہوتے تو فلاں جہنم میں جاتا) کہنا جسکی تعداد سترہ اٹھارہ تک پہونچی۔

چوتھے علوم قران پوچھنے والے مسلمانوں کو جواب نہ دے سکنے کی صورت میں کئی دفعہ مارنا اور ہر دفعہ خون خون کردینا یہاں تک کہ اوس کی جان پر بنجائے اور ہلاکت کی نوبت پہونچ جائے اور پھر مسلمانوں کو منع کردینا کہ اوس کے پاس نہ بیٹھیں۔[6]

اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں سے جو علوم لئے گئے ہیں وہ محض بیکار رہیں۔ نہ تو بارگاہ پروردگار میں عذر و حجت ہوں گے اور نہ مقبول و لائقِ شنوائی۔ اسلئے قرانِ مجید اور اوسکے علوم اہلبیت

---

[1] کنز العمال جلد ۶ ص۲۰ کتاب الفرائض بیانِ کلالہ نمبر حدیث ۳۲۰ و ۳۲۱ و تاریخ الخلفاء فصل فیمارُوِیَ عَنِ الصِّدِّیقِ مِنْ تَفْسِیرِ الْقُرْآنِ ص۶۹ چھاپہ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۰۱ھ۔ [2] قرۃ العینین عنفہ شاہ ولی اللہ صاحب پدر و استادِ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ص۵۶ مقدمہ سادسہ بیان علم حدیث شیخین ۱۲۱۰ھ [3] قرۃ العینین ص۶۵ ۱۲ھ

[4] صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۳ ص۷۶ چھاپہ مصر ۱۲ھ۔ [5] قرۃ العینین ص۱۸۱ فصل ۱ - ۱۲ھ۔

[6] قرۃ العینین ص۵۷ - ۱۳ھ۔

گئے ہاتھوں سے جا چکے ہیں۔ اون کے حق میں بالکل بکار آمد نہیں ہو سکتے۔
بفضلِ خداوندِ منّان قرآن اور علومِ قرآن کے صحیح مالک ہم شیعے ہیں جن کو اُن کے پیشوایانِ دین علمائے علومِ اولین و آخرین و ذریتِ حضرت سید المرسلین و اہلبیت طاہرین نے تعلیم کر دیا ہے اور اُس کے جزئی و کلی معنی و مطالب و رموز ظاہریہ و باطنیہ کو بتا دیا ہے۔
فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْرُ۔ رہیں حدیثیں تو اگرچہ بقول انھیں کے علماء کے ان کی صحاح ستہ میں بھی ضعیف حدیثیں اور غیر صحاح ستہ میں صحیح حدیثیں بہت ہیں لیکن چونکہ ان کا اعتماد اور ان کے مذہب کا دار و مدار زیادہ تر صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، سنن نسائی، سنن ابو داؤد و سنن ابن ماجہ پر ہے۔ اس لئے انھیں چھ کی جانچ پرتال کرنا کافی ہے۔

(صحیح بخاری) امام اہلسنت سبکی نے کتاب طبقات میں لکھا ہے کہ مسئلہ لفظ کی وجہ سے ابو زرعہ[عہ] اور ابو حاتم[عہ] نے محمد بن اسماعیل مصنفِ صحیح بخاری کو چھوڑ دیا تھا (یعنی اُن سے حدیثیں نہیں لیتے تھے)[1] اور امامِ اہلسنت ذہبی نے اسی وجہ سے مصنفِ صحیح بخاری کو کتاب ضعفاء و متروکین میں درج کیا ہے (یعنی اُن کو اُن لوگوں میں داخل کیا ہے جو غیر معتبر تھے اور اُن سے حدیثیں نہیں لیجاتی تھیں)[2] اور میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ابو زرعہ اور ابو حاتم ان سے حدیثیں نہ لیتے تھے[3] اور امامِ اہلسنت محمد بن یحییٰ ذہلی بخاری صاحب کو بدعتی جانتے تھے[4] علامہ ذوالنسبین ابنِ دحیہ کہتے ہیں کہ بخاری کی عادت تھی کہ حضرت علی علیہ السّلام کی فضیلت کی حدیثوں میں کاٹ چھانٹ کیا کرتے تھے کیونکہ یہ حضرت علی سے منحرف تھے

---

[1] مقدمہ شرح مشکوٰۃ فارسی مصنفہ شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی وصل آخر مقدمہ صفحہ ۱۵ و ۱۶ مطبوعہ اعظم المطابع جونپور ۱۲ منہ۔ [2] مقدمہ شرح فارسی مشکوٰۃ وصل آخر مقدمہ صفحہ ۱۶ مطبوعہ اعظم المطابع جونپور ۱۲ منہ عہ ابو زرعہ بہت بڑے عالم اور مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ کے اُستاد حدیث تھے۔ ابن راہویہ کہتے ہیں کہ جس حدیث کو ابو زرعہ نہ جانتے ہوں وہ بے اصل ہے اور ابو مصعب نے ان کو مالک پر ترجیح دی ہے۔ (استقصاء صفحہ ۸۶۸ جلد ۱ بحوالہ کاشف) ۱۲ منہ۔ عہ موسیٰ بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے ابو حاتم سے بڑھکر کسی کو حدیثوں کا حافظ نہ دیکھا اور سمعانی کہتے ہیں کہ ابو حاتم امام زمانہ تھے اور لوگ مشکلات حدیث کو حل کرنے کیلئے ان کے پاس آیا کرتے تھے اور فضیلت میں مشہور تھے۔ (استقصاء جلد ۱ صفحہ ۸۶۹ بحوالہ کاشف و انساب) [3] استقصاء جلد ۱ صفحہ ۸۷۶ بحوالہ طبقات سبکی ۱۲ منہ [4] استقصاء جلد ۱ صفحہ ۸۷۷ بحوالہ فیض القدیر مناوی ۱۲ منہ۔ بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۶۸

(صحیح مسلم) مسلم بن حجاج مصنف صحیح مسلم کے نفس کی یہ حالت تھی کہ سچّے اور معتبر شخص پر بے ثبوت اور بے دلیل طعن کیا کرتے اور بُرا کہتے تھے جیسا کہ ابراہیم بن عبد اللہ سعدی جیسے معتبر عالم و محدث پر طعن کیا۔[۱] ابنِ جوزی کہتے ہیں کہ بعض محدث کا بعض دوسرے پر اپنی دل کی تشفی کے لئے طعن کرنا شیطان کے اغوا سے ہے[۲] حفاظ (یعنی محدثوں) نے کہا ہے کہ مسلم نے جب صحیح مسلم کو لکھکر (اپنے اوستادِ حدیث) ابوزرعہ کو دکھایا تو ابوزرعہ کو بُرا معلوم ہوا اور غصہ آیا اور کہا کہ تم نے اس کا نام صحیح رکھا ہے۔ حالانکہ اس کو بدعتیوں کے لئے سیڑھی بنائی ہے[۳] امامِ اہلسنت عبد القادر کہتے ہیں کہ خدا رحمت نازل کرے ابوزرعہ پر بہت ٹھیک کہا انھوں نے[۴] اور ملا علی قاری نے بھی اپنی کتاب رجال میں ابوزرعہ کے کلام کو نقل کیا ہے۔ اور ابوالفضل ادفوی نے لکھا ہے کہ ابوزرعہ کتاب مسلم کی مذمت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کا نام صحیح کیسے رکھا ہے۔ حالانکہ اس کے راوی فلاں اور فلاں ہیں۔ اور ایک جماعت کا نام بیان کیا[۵] ملا علی قاری نے کتاب رجال میں اور ابنِ تیمیہ نے کتاب منہاج میں لکھا ہے کہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں غیر معتبر حدیثیں بہت ہیں۔

(صحیح ترمذی) علامہ ذوالنسبین لکھتے ہیں کہ ابوعیسیٰ ترمذی مصنف صحیح ترمذی نے بہت سی جعلی حدیثیں نہایت درجہ جھوٹھے راویوں سے لیکر اپنی صحیح میں لکھا ہے اور

بقیہ حاشیہ صفحہ

۵ میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ بترجمہ علی بن عبد اللہ بن جعفر ۱۲ منہ ۵ امام اہلسنت ابنِ ابی داؤد کہتے ہیں کہ ذہلی علمِ حدیث میں امیر المومنین تھے اور ابوحاتم کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے پیشوا اور امام تھے اور صاحب بخاری کے اوستادِ حدیث تھے۔ لیکن بخاری صاحب نے اونکی حدیثوں میں اُن کے نام کو چھپایا ہے۔ (استقصاء جلد اول صفحہ ۸۸۶ بحوالہ کاشف) اور راوی کے نام کو چھپانا خیانت اور تدلیس ہے

۶ طبقات شافعیہ سبکی بترجمہ بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۲ منہ ۵ ابنِ دحیہ اعیان علماء اور مشاہیر فضلاء سے تھے۔ اور علم حدیث میں بہت ٹھوس اور کامل تھے اور اندلس و مراکش و افریقہ وغیرہ بہت سے ملکوں سے حدیث حاصل کی تھی۔ (استقصاء جلد ۱ صفحہ ۹ بحوالہ وفیات الاعیان وغیرہ)۔ ۱۲ منہ۔

۸ استقصاء جلد اول صفحہ ۸۹۷ بحوالہ کتاب شرح اسماء النبی ۱۲۴ منہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸ ۱ میزان الاعتدال جلد ۱ ذکر ابراہیم مذکور صفحہ ۲۱ - ۱۲ منہ۔ ۲ کتاب تلبیس ابلیس ۱۲ منہ ۳ جواہر مضیئہ جلد ۲ صفحہ ۴۳۳ ۱۲ منہ ۴ ابوالفضل عالم فاضل ادیب فقیہ تھے (درر کامنہ ابن حجر عسقلانی) اور ابن جماعہ نے انکو امام علامہ لکھا ہے ۱۲ منہ ۵ استقصاء جلد ۱ صفحہ ۹۸۵ بحوالہ کتاب امتاع ۱۲

۵ قرۃ العین فی تضعیف رجال الصحیحین و ذکر تلبیس ص ۱۲۰ - ۱۲ منہ

اُن حدیثوں کا نام حَسَن (یعنی معتبر) رکھا ہے[1] اور ابن تیمیہ نے جو اہلسنت کے نزدیک کن مذہب اور امام فن گذرے ہیں لکھتے ہیں کہ ترمذی نے فضائل میں بہت سی غیر معتبر بلکہ جعلی حدیثیں لکھی ہیں[2]

(سنن نسائی) نسائی مصنف سنن نے احمد بن صالح مصری جیسے امام علامہ درکن مذہب اہلسنت کے حق میں کہا کہ جھوٹے ہیں اور حدیثیں بنایا کرتے ہیں۔ اس بارے میں امام اہلسنت یعنی ذہبی نے لکھا ہے کہ احمد بن صالح مصری کو ابو حاتم اور بہت سے ائمہ نے معتبر کہا ہے۔ اور نسائی کے کلام کو سب نے غرض پر محمول کیا ہے[3] پھر کہتے ہیں کہ ابن عدی نے کہا ہے کہ نسائی احمد بن صالح کے حق میں بُرا خیال رکھتے تھے اور اون کی بہت سی حدیثوں کو ناپسند کرتے تھے۔ پس میں نے محمد بن ہارون سے سُنا وہ کہتے تھے کہ یہ خراسانی (یعنی نسائی) احمد بن صالح کے حق میں بدگوئی کرتا ہے۔ میں احمد بن صالح کی مجلس میں موجود تھا کہ اُنھوں نے نسائی کو اپنی مجلس سے نکلوا دیا پس اسی وجہ سے نسائی نے اُن کے حق میں بدگوئی کی ہے[4]۔ اس مضمون کو عبدالرحیم عراقی نے بھی شرح الفیہ میں نقل کیا اور کہا ہے کہ ذہبی نے کہا کہ نسائی نے اُن کے حق میں بدگوئی کر کے خود اپنی ہی ذات کو نقصان پہنچایا[5] اور سبکی کہتے ہیں کہ ابن عربی نے کہا ہے کہ اس بدگوئی نے خود نسائی کو ذلیل کیا۔ اور خود سبکی کہتے ہیں کہ نسائی کا یہ جھوٹ دکھار ہجائیگا اور احمد بن صالح کے حق میں مضر نہیں ہو سکتا اور حفاظ (یعنی محدثین) نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ نسائی کا ان کے حق میں بدگوئی کرنا ظلم ہے اور نسائی جیسے لوگوں کا کلام اونکو معیوب نہیں بنا سکتا۔ بلکہ اس کلام نے خود نسائی کو معیوب کر دیا[6] سبکی کہتے ہیں کہ ابن عبد الرفیع نے اپنی کتاب معین الحکام میں عبداللہ بن وہب کا کلام نقل کیا ہے کہ قاری کی گواہی قاری کے حق میں جائز یعنی مقبول نہیں ہے اور قاری سے اُنھوں نے علماء کو مراد لیا ہے۔ اور مقبول نہ ہونے کا سبب یہ لکھا ہے کہ اُن لوگوں میں حسد اور بغض و عداوت کا مادّہ بہت ہوتا ہے[7]

---

[1] استقصاء جلد اول صفحہ ۱۴۱ بحوالہ شرح اسماعیلی ۱۲ منہ [2] استقصاء جلد اول صفحہ ۱۴۲ بحوالہ منہاج السنۃ ابن تیمیہ ۱۲ منہ [3] استقصاء صفحہ ۱۰۷۵ بحوالہ کاشف ۱۲ منہ۔ [4] میزان الاعتدال جلد اول صفحہ ۴۹ ذکر احمد بن صالح ۱۲ منہ [5] استقصاء صفحہ ۱۰۷۵ بحوالہ شرح الفیہ ۱۲ منہ [6] طبقات سبکی جلد اول صفحہ ۱۸۷ و ۱۹۰ ذکر احمد بن صالح مصری ۱۲ منہ [7] طبقات شافعیہ سبکی جلد ا صفحہ ۱۸۸ - ۱۲ منہ۔

منصف مزاج سمجھ سکتے ہیں کہ مصنفِ صحیح مسلم یعنی مسلم بن حجاج نے ابو زرعہ اور نسائی نے احمد بن صالح پر ظالمانہ طعن کیا ہے اور جھوٹی تہمت لگائی ہے جسکا منشا بقول عبد اللہ بن وہب کے حسد اور بغض و عناد ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔ ایسے لوگوں کی کتابیں کیونکر لائقِ قبول اور معتبر سمجھی جا سکتی ہیں یہی کتابیں صحاح سمجھی جاتی ہیں جنکے مصنف جھوٹے اور ظالم اور حسود اور عنود تھے۔

(سننِ ابو داؤد اور سننِ ابن ماجہ) اور چاروں گذشتہ صحاح کے متعلق اہلسنت کے بہت سے ائمہ فنِ حدیث نے لکھا ہے کہ ان میں جعلی اور جھوٹی اور غیر معتبر حدیثیں بہت ہیں اور اُن حدیثوں کو ایک ایک کرکے بیان کیا ہے جو استقصاء الافہام جلد اول میں صفحہ ۹۳ سے ۱۱۱ تک نقل کی گئی ہیں جو صاحب دیکھنا چاہیں اس کتابِ مستطاب کو ملاحظہ کریں۔ دیباچہ میں سب کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

نتیجۂ کلام۔ پہلے اس میں غور کرو کہ وہ کیسے ہیں جنکی کتابیں صحاحِ ستہ کے نام سے مشہور ہیں اور ایک بڑی جماعت کا سرمایۂ ایمان ہیں۔ پھر ان پر ایمان رکھنے والوں کو غور کرنا چاہئے کہ جو توشہ وہ آخرت کیلئے فراہم کررہے ہیں اُن کے اصل مادے کیسے ہیں آیا وہ وہاں کچھ عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے اور کچھ قیمت سے خریدے جائینگے یا صاحب توشہ کے منہ پر پھینکدیئے جائیں گے۔ دوسرے اس امر میں غور کرو کہ بے شبہ سوا ذاتِ مقدس پروردگار کے کوئی ذات عیب سے پاک نہیں ہے۔ لیکن اہلِ دنیا کی نگاہوں میں وہ لوگ بھی بے عیب سمجھے جاتے ہیں جو دنیاوی عیوب سے پاک ہوں۔ خواہ وہ عیوب مذہبی اور شرعی ہوں جیسے بیدینی اور بد اخلاقی یا خلقی و تکوینی ہوں جیسے کانا۔ لنگڑا۔ اندھا۔ بہرہ وغیرہ ہونا یا عرفی جیسے میلا کثیف۔ بد حال۔ فقیر و محتاج وغیرہ ہونا۔ بہر حال دنیا کے عقلاء دنیاوی عیوب سے پاک لوگوں کے لئے بھی یہ پسند نہیں کرتے کہ معیوب لوگوں پر عیب گیری کی نگاہیں ڈالیں اور زبانِ طعن کھولیں۔ پھر ان لوگوں کے لئے دوسروں کی عیب گیری کب صحیح ہو سکتی ہے۔ جنکا نہ مذہب صحیح ہے نہ مذہبی کتابیں بے عیب نہ خود بُرے اخلاق سے بَری اور پاک۔ ہاں بحیثیت ایک برادرِ دینی یا ملکی یا قومی ہونے کے ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ از راہِ ہمدردی اپنے بھائی کو راہِ نیک و بہتر بتانے کی کوشش کرے۔ اور ایسے شخص کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ دنیا کے ہر مذہب و طریقہ پر

پہلے خود غور کر کے اس امر کا فیصلہ کرے کہ آیا خود اسی کا مذہب اور طور و طریقہ اچھا اور بیخطر ہے یا اوس کا جسکو یہ ہدایت کرنا چاہتا ہے۔ اور اس فریضہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُس کو چاہئے کہ ہماری گذشتہ جانچ پڑتال اور تنقیدی تحریر کو ٹھنڈے دل سے اور انصاف کی نگاہ سے پڑھے اور جو حق ثابت ہو اوس کو اختیار کرنے میں پیش و پس اور حیا و شرم اور رعایت و مروّت اور خوف و ترس اور حرص و لالچ اور حمیت و غیرت کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دے۔ اور دوسرا فریضہ یہ ہے کہ ہدایت و تلقین کی زبان نرم ہو اور دل محبّت و ہمدردی میں ڈوبا ہوا ہو تحریر و تقریر میں تیزی۔ ترشی طعن۔ تشنیع۔ غصہ تعصّب۔ فتنہ و فساد۔ ہٹ دھرمی و لجاجت وغیرہ کی بو باس اور جھلک نہ ہونے پائے کیونکہ یہ چیزیں بنے ہوئے کام کو بگاڑنے والی ہیں۔

تنبیہہ ہمارے مذہب میں بھی حدیث کی منجملہ بہت سی کتابوں کے چار کتابیں مشہور ہیں جو کتب اربعہ کہی جاتی ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کتابوں کی کل حدیثیں صحیح ہیں۔ اسمیں شبہ نہیں ہے کہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں لیکن ان کے ضعف کے اسباب کئی ہیں۔

(۱) ایک تو اس وجہ سے کہ ہمارے ائمہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ باسعادت میں تحصیلِ علم کے لئے جہاں شیعے حاضر ہوا کرتے تھے اہلسنت بھی کثیر تعداد میں حاضر ہوا کرتے تھے اور انحضرات کی حدیثوں کو بیان کیا کرتے تھے۔ ان میں کچھ تو صرف اس غرض سے آیا کرتے تھے کہ معصوم سے حدیثیں سُنکر اُن کی فرمائش کے خلاف مضمون شائع کیا کریں تاکہ دینِ حق مغشوش ہو جائے۔ اور کچھ اس غرض سے آتے تھے کہ اپنے مذہب کے مخالف حدیثوں کو سُن کر خلیفہ وقت سے بیان کریں تاکہ معصوم قتل کر دیئے جائیں۔ اور کچھ واقعاً علم کی تحصیل کی غرض سے اعتقاداً آتے تھے۔ ان تینوں گروہوں کی حدیثوں کو ہمارے علماء نے اس وجہ سے اپنی کتابوں میں درج کیا کہ وہ حدیثیں اہلبیت طاہرین کی طرف منسوب تھیں۔ اور درج کرنے پر بعض حضرات کو اس غرض نے آمادہ کیا کہ معصومینؑ کی طرف جو حدیثیں منسوب ہیں وہ اکٹھا ہو جائیں صحیح و سقیم کی جانچ کو آئندہ وقت یا آنیوالی نسلوں پر چھوڑا۔ اور بعض حضرات کو اس غرض نے آمادہ کیا کہ اون کو جانچیں اور صحیح کو غیر صحیح سے اور حق کو باطل سے اور یقینی کو غیر یقینی سے جدا کریں اور پہنچوائیں۔

ہر ذی ہوش اس بات کو یقیناً جانتا ہے کہ مذہب معنوی چیز ہے جو اپنے ماننے والوںکو اپنے رنگ پر چلنے پر مجبور نہیں کر سکتی اس واسطے ہر مذہب کے ماننے والوں میں اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگ ہیں جہاں فاسد مذہب کے کل ماننے والوںکا برا ہونا ضروری نہیں ہے وہاں مذہب حق کے کل ماننے والوںکا اچھا ہونا بھی ضروری نہیں ہے یہ ہمارا انصاف ہے کہ اہلسنت کے خوش رفتار اور معتبر راویوں سے حدیثیں لینے میں تامل نہیں کرتے۔ اور ایک انصاف مصنفِ صحیح بخاری کا تھا کہ تعصب اور عنادِ مذہبی کی وجہ سے خوارج اور نواصب کی حدیثوں سے صحیح بخاری کو بھر دیا ہے لیکن ہمارے امام ہمام حضرت امام جعفر صادق علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ایک حدیث بھی لینا پسند نہ کیا جنکے جامع کمالاتِ علمیہ و نفسانیہ ہونے کا علماء اہلسنت کو بھی اقرار ہے۔ ان کے امام ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ ائمۂ اعلام میں سے ایک اور نیکوکار اور نجیب اور عظیم المرتبت تھے (میزان) بخاری کے حدیث نہ لینے پر اونھیں کے منصف مزاج علماء نے اون پر طعن کیا ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ جیسے متعصب شخص نے منہاج السنہ میں اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں حرف گیری کی ہے۔

بہر حال ہمارے علماء نے معتبر راویوں کی روایتوں کو قبول کیا ہے اور غیر معتبر کو رد کیا ہے مذہب شیعہ کے کتبِ رجال کو دیکھو تو معلوم ہو جائیگا کہ ان غیر معتبر روایتوں کے راوی شیعہ کم ہیں اور سُنّی زیادہ۔

۲۔ دوسرا سبب ضعف کا یہ ہے کہ ان راویوں میں اکثر ایسے ہیں جنکا برا یا اچھا ہونا معلوم نہ ہو سکا۔ ۳۔ اور تیسرا سبب ضعف کا یہ ہے کہ کوئی راوی درمیان سے اس وجہ سے چھوٹ گیا ہے کہ اُس کے بعد کے راوی کو اوس کا نام یاد نہ رہا۔ ایسی روایت کو مرسلہ کہتے ہیں۔

شیعہ راویوں میں بھی غیر معتبر راوی ہوئے ہیں لیکن بہت کم۔ اور جہاں تک ہم جانتے ہیں حدیث ساز راوی شیعوں میں یا تو بالکل نہیں ہوا ہے یا اس قدر کم جیسے سفید گائے کے پورے جسم پر دو چار سیاہ بال۔ لیکن سُنّی راویوں میں ایسی فردیں بے شمار ہیں۔ ان کے امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں دس ہزار نو سو سات اور ان کے امام ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں تیرہ ہزار تین سو تینتالیس عورتوں اور

مرد راویوں کو ذکر کیا ہے جن میں ہزاروں حدیث ساز ہیں اور باقی یا مجہول یا مجروح یا کذّاب۔ اوران میں سے بہتیروں نے اپنے حدیث بنانے کا اقرار کیا ہے کسی نے سیکڑوں کی تعداد میں بنایا ہے اور کسی نے ہزاروں کی تعداد میں (کتاب میزان الاعتدالِ ذہبی اور کتاب لسان المیزانِ ابن حجر)۔

۳۷ سینتیسواں مقدمہ

(چند لفظوں سے چند شخصوں کا بار باری مراد ہونا صحیح ہے)

۱۔ جو الفاظ کسی ذات کے ساتھ خاص نہیں ہیں اور معانی اُن کے عام ہیں۔ جیسے عالم سخی۔ شجاع وغیرہ۔ ان کے معانی حسبِ حسب ذات میں پائے جائیں گے اون پر یہ الفاظ یقیناً بولے جائیں گے۔

۲۔ اُن ذاتوں پر جو اصلی معنیٰ سے مناسبت رکھتے ہیں الفاظ مجازاً بھی بہ نسبہ استعمال ہوتے ہیں۔

۳۔ اگر کوئی ذات متعدد صفت رکھتی ہو تو کبھی اس کے کل صفتوں کو ظاہر کرنا مناسب ہوتا ہے اور کبھی بعض کو۔ اور اس صورت میں وقت اور حالت اور ضرورت جس صفت کو ظاہر کرنا چاہتی ہے اوسی کو بتانے والا لفظ اوس پر بولا جاتا ہے۔ جیسے ذاتِ پروردگار جسکو جامعِ کمالات ہونے کی وجہ سے اللہ کہتے ہیں۔ اور اوس کے علم کو ظاہر کرنے کے لئے عالم الغیب۔ اور قدرت کو ظاہر کرنے کے لئے۔ قادرِ مطلق۔ اور عقل کو ظاہر کرنے کے لئے حکیم۔ بولتے ہیں۔

۴۔ اگر دو آدمی اوستاد اور شاگرد ہوں اور تیسرا دونوں کا شاگرد ہو لیکن فضل و کمال میں تینوں اعلیٰ درجہ تک پہونچے ہوئے ہوں تو آپس میں نسبت دیکھنے کے وقت ہو سکتا ہے کہ اوستاد کو آفتابِ کمال کہیں اس بنا پر کہ بہت روشن ہے۔ اور اوسکے شاگرد کو ماہتابِ کمال۔ اور اوس کو جو دونوں کا شاگرد ہے آسمانِ کمال۔ اس بنا پر کہ آفتاب اور ماہتاب دونوں سے پست ہے۔ لیکن اگر ہم کسی مناسبت سے ان لفظوں کے درجوں کو بدل دیں تو استعمال بھی بدل جائے گا۔ اور اگر آپس میں نسبت کا لحاظ نہ کریں تو ان تینوں کے اعلیٰ کمال کے لحاظ سے اُن میں سے ہر ایک مستحق ہے کہ

یہ تینوں لفظ اوس پر بولے جائیں۔
نتیجۂ کلام۔ پس اگر سورۂ والشمس میں مثلاً بنا بر بعض حدیثوں کے شمس حضرت سرور عالم اور قمر حضرت علیؑ۔ اور بعض میں شمس حضرت علیؑ اور سماء حضرت سرور عالم اور قمر حسنینؑ بتائے گئے ہیں۔ تو یہ امر تعجب خیز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ استعمال بھی اُسی قسم کا ہے جس کو ہم نے نمبر ۴ میں ابھی بیان کیا۔ اور ان حضرات میں سے ہر شخص ہر لفظ کا مستحق ہے اور استعمال کرنے والے حضرات نے ایک ایک مناسبت سے الفاظ کو استعمال کیا ہے

(خاتمۂ مقدمات) ۱ چونکہ اُردو زبان میں لکھنے سے مقصود یہی ہوتا ہے کہ ہر اُردو دان شخص عورت ہو یا مرد بغیر دوسرے کی احتیاج اور مدد کے بے تکلف سمجھے اور فائدہ اوٹھائے۔ اِس لئے اِس تفسیر کی زبان نہایت سلیس اور عام فہم اردو ہوگی اور اس وقت کی مروّج اردو کو ہم کو چھوڑنا پڑیگا جسکو سوائے اہل علم کے دوسرے سمجھ نہیں سکتے۔ اور نہ ایسی اُلجھاویکی عقلی دلیلیں لکھی جائینگی جن کا سمجھنا اردو دانوں کیلیے دشوار ہو۔ ۲ چونکہ اختصار پیشِ نظر ہے اس لئے مختلف اقوال نہیں لکھے جائیں گے۔ بلکہ صرف مشہور مضمون یا ایسا مضمون لکھا جائیگا جس کو اکثر علماء نے اختیار کیا ہے۔ ہاں اگر مشہور مضمون اصولِ مذہب کے خلاف ہوگا تو وہ چھوڑ دیا جائیگا۔
۳ حدیثیں اوسی قدر لکھی جائیں گی جن سے مطلب ادا ہو جائے۔ ۴ اگر ایک مطلب کو چند حدیثوں کے ٹکڑوں سے تعلق ہوگا تو صرف ٹکڑے نقل کئے جائیں گے پوری حدیث نہیں لکھی جائیگی کیونکہ اختصار مقصود ہے۔ ۵ بنظرِ اختصار حدیثوں کی سندیں چھوڑ دیجائیں گی۔
۶ اگر کسی آیت سے مختلف فن کے مطالب نکلتے ہوں گے تو صرف اوس فن کا نام جیسے فقہ۔ اصولِ فقہ۔ اصولِ دین وغیرہ لکھکر اوس کے بعد اوس کے متعلق مطالب لکھے جائیں گے
۷ آیت کے ظاہری معنی لفظِ ظاہر لکھکر۔ اور باطنی معنی لفظِ باطن لکھکر لکھے جائیں گے۔
۸ تحقیق حق کے مقام میں کسی تفسیر کی پابندی نہ کیجائیگی بلکہ صرف اصول مذہب اور قواعد اور حدیثوں پر نظر رہیگی۔ ۹ صحابہ اور تابعین اور اہلسنت کی حدیثیں صرف تائید کیلیے نقل کیجائینگی مستقل دلیل قرار نہ دیجائینگی۔ ۱۰ جو حدیث اصول مذہب کے مخالف ہوگی چھوڑ دیجائیگی۔ اگرچہ مضمون اوس کا مشہور ہو یا کسی بڑے عالم نے اختیار کیا ہو۔
۱۱ جس فرقہ کا سوال یا جواب یا اوس پر اعتراض لکھنا مقصود ہوگا اُس کا نام لکھکر مضمون

شروع کیا جائیگا اور ایسے مضامین خط کے نیچے ذکر کئے جائیں گے۔ ۱۲؎ اپنے خیالات لفظ
احقر کے بعد ذکر کئے جائیں گے۔ ۱۳؎ حلِ لغات اور اختلافِ قرائت وغیرہ صرف ضرورت
کے وقت لکھے جائیں گے۔ ہر آیت کے ساتھ لکھنے کی پابندی نہ کیجائیگی۔ ۱۴؎ بنظرِ اختصار
تاریخی واقعات وغیرہ کا خلاصہ لکھا جائیگا تفصیل نہ کیجائیگی۔ ۱۵؎ کتابوں کے حوالے
تفسیر کے حاشیہ پر ہوں گے جنکا نشان ہندسہ کا عدد ہو گا جیسے ۱ ۲ وغیرہ اور بعض مطالب
کی تحقیق یا شرح یا دوسرے مذاہب کے مقابل بحث وگفتگو حوض میں خط کے نیچے ہوں گے جنکا
نشان رقم کی آنکھ ہو گی جیسے عہ عہ عہ وغیرہ۔ ۱۶؎ حاشیوں اور اعتراضوں اور
اون کے جوابوں میں عبارت کے عام فہم رکھنے کی کوشش کیجائیگی لیکن اس کا حتمی وعدہ
نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مطالب کی تحقیق اور اعتراضوں کے جوابات میں تشفی بخش اور کافی
ہونے کی غرض سے مختلف فنون اور قاعدوں کو ذکر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور ہر
فن اور ہر قاعدے کے مطلب کو عام فہم بنانا دشوار ہے خصوصاً اصطلاحوں کا ٹھیٹھ اور
عام فہم ترجمہ کرنا اون کو فنیت سے گرا دیتا ہے بلکہ بسا اوقات اُن کیلئے بالکل اُن کے مطابق
اُردو تعبیر پیدا کرنا قریب قریب محال ہو جاتا ہے۔ ۱۷؎ آیتوں کے نیچے کا ترجمہ لفظی کیا جائیگا
تاکہ اگر مومنین الفاظ کے معانی یاد کرنا چاہیں تو اون کے لئے ہر لفظ کے معنی جدا جدا سمجھنے میں
آسانی ہو۔ اگرچہ لفظی ترجمہ جا بجا ہم کو فصیح محاورہ کو چھوڑ دینے پر مجبور کریگا لیکن ہم مومنین
کے فائدہ کو فصیح محاورہ سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ باوجود اس کے حتی الامکان
کوشش کریں گے کہ ترجمہ سلیس محاورہ سے ہٹنے نہ پائے۔

فائدہ۔ (آدابِ تلاوتِ قرآن میں) تلاوت قرآن مجید میں چند چیزیں مستحب ہیں
جنکی حدیثوں میں ہدایت کی گئی ہے اور اون کو انجام دینے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے۔
۱؎ تلاوت شروع کرنے سے پہلے طہارت یعنی وضو یا غسل یا تیمم جسکو جس چیز کی حاجت ہو
کر لینا چاہیے۔ ۲؎ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا۔
۳؎ قرآن مجید کی تعظیم اور احترام کرنا ۴؎ توجہ اور خلوص سے پڑھنا ۵؎ دکھانے
سنانے کا ارادہ نہ کرنا ۶؎ جو لوگ اوسکے معانی سمجھ سکتے ہیں اونکا اُس کے معانی میں
غور و فکر کرنا ۷؎ قرآن میں دیکھکر پڑھنا اگرچہ پڑھنے والا زبانی پڑھ سکتا ہو کیونکہ قرآن کا
دیکھنا بھی عبادت ہے ۸؎ پورے قرآن کو چند دنوں میں ختم کرنا بلکہ ایک مہینہ یا کچھ کم میں ختم کرنا

۱۰ ٹھہر ٹھہر کر ہر حرف کو صاف صاف ظاہر کر کے پڑھنا۔ اوقاف یعنی ٹھہرنے کی جگہوں پر ٹھہر جانا۔ ۱۱ قران کی نصیحتوں سے دل پر اثر لینا۔ اور غمگین ہونا اور رونا یا رونے والوں کی صورت بنانا۔ ۱۲ خوش الحانی سے پڑھنا لیکن اس طرح کہ گانے کی حد تک نہ پہونچے۔ ۱۳ ایسا پڑھنا کہ گھر والے سُنیں اور چیخنے کی حد تک نہ پہونچے۔ ۱۴ بہشت کا ذکر پڑھکر ٹھہرنا اور خدا سے بہشت کی خواہش کرنا اور جہنم کا ذکر پڑھکر اوس سے پناہ کی دعا کرنا۔

تنبیہ۔ بغیر طہارت یعنی وضو یا غسل یا تیمم کے قران کے لفظ اور حرف اور زیر۔ زبر پیش۔ جزم۔ تشدید۔ مد۔ نقطہ کو چھونا جائز نہیں ہے اور چھونے سے گناہ ہوتا ہے خواہ قران میں لکھا ہوا ہو یا کسی کتاب میں یا جدا کسی کاغذ پر۔ والسّلام

دعاے خیرِ دنیا و آخرت کا طلبگار

ناچیز

سیّد راحت حسین رضوی ساکن گوپالپور ضلع سارن

ڈاکخانہ باقرگنج

تاریخ ۶۔ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ دوشنبہ

فہرست مقدمات انوار القرآن

۱۱۴
۱۱۵ ۱۱۴

حدیثیں بطریق شیعہ و بطریق سنی

بقیہ فہرست ابتدا صفحہ ۳ [illegible]